فہرست مضامین

۱۔	قرآن کا پیغام	ظھر الفساد فی البر والبحر.....	محمد عارف ندوی
۲۔	اداریہ	فکری زاویے	مدیر
		ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے	۳
		ہندستان میں پرانے نوٹوں پر پابندی	۶
۳۔	خاص تحریر	علماء ومصلحین کے آزمائشی فتنے	مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ ۱۲
۴۔	پیام سیرت	محبت واستقامت کا ایک بے نظیر کردار	محمد فرید حبیب ندوی ۱۴
۵۔	خصائص و امتیازات	آنحضرتؐ کی خصوصیات تمام رسولوں پر	محمد قمر الزماں ندوی ۱۶
۶۔	فکر اسلامی	مفکر اسلام-ایک مطالعہ (قسط-۹)	ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی ۲۱
۷۔	محاسن اسلام	اسلام اور نظام طلاق	مجیب الرحمٰن عتیق ندوی ۲۵
۸۔	نقطۂ نظر	عالمی میڈیا کے ۹۰ فیصد حصے پر صرف.....	اشرف علی بستوی ۳۴
۹۔	نقد ونظر	عمل صالح کے تعلق سے راشد شاز کا.....	محمد غزالی ندوی ۳۵
۱۰۔	تعارف و تبصرہ	آخری وحی	ڈاکٹر محمد اکرم ندوی ۳۹
۱۱۔	ادبی تنقید	نغمہ ونور (آخری قسط)	ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی ۴۹
۱۲۔	آخری صفحہ	اپنی عزت کس طرح بیچ دوں؟	م۔ق۔ن ۶۳
۱۳۔		تحریر کے دوران استعمال ہونے والے رموز...	۶۴
۱۴۔	شعر وادب	غزل	فطین اشرف صدیقی

❋❋❋

نوٹ: مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔عدالتی چارہ جوئی علی گڑھ کی ہی عدالت میں ہوسکتی ہے۔

اداریہ

فکری زاویے

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے

آج امت پر جو وقت آن پڑا ہے وہ سخت تو ہے مگر اس قدر بھی نہیں کہ تھک ہار کر بیٹھ جایا جائے اور مہدی موعود کا انتظار کیا جائے، یہ انداز فکر کبھی بھی شیوۂ اسلاف نہ رہا، حالات کس قدر بھی مخالف ہوئے، بادتند مخالف کتنی ہی خوفناک ہوگئی لیکن اسلاف نے امیدوں کا دامن کبھی نہ چھوڑا، حالات کا تجزیہ کیا، قرآنی حکم کے مطابق اسباب وتدابیر اختیار کی گئیں اور رب العالمین پر توکل کیا جس کے نتیجہ میں وہ کامران وفتحیاب ہوئے، یقیناً آج حالات بہت مہیب وخطرناک ہیں، شام تباہ وویران ہو چکا ہے، عراق میں اہل سنت کا صفایا ہو رہا ہے، اہل تشیع کا اثر ورسوخ کئی خلیجی ممالک میں بڑھتا جا رہا ہے، خود ہمارے ہندوستان میں، جیل میں معصوموں کو بند کرنے کی مہم ہے، بے گناہوں کو جیل سے نکال کر گولی مار دینے کا واقعہ ہے، شریعت میں مداخلت کی سیاسی کوشش ہے، یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا ہنگامہ ہے لیکن پھر بھی میں یہی کہوں گا کہ اگر ہم اسلام کے حقیقی نمائندے اور صحیح معنی میں دیندار بن جائیں تو یہ سارے میدان سر ہو جائیں گے، ابھی بھی حالات اتنے پرخطر تو نہیں جتنے اس وقت تھے جس کی عکاسی قرآن مجید نے یوں کی ہے واذکروا إذ انتم قليل مستضعفون فی الارض تخافون أن يتخطفكم الناس فاٰوٰكم وأيدكم بنصره ورزقكم من الطيبات لعلكم تشكرون (انفال:۲۶) (ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کرو جب تم تھوڑی تعداد میں تھے، ملک میں دبے کچلے تھے تمہیں ڈر لگا رہتا تھا کہ لوگ تمہارا اغوا نہ کرلیں، پھر اللہ نے تمہیں محفوظ ٹھکانہ دیا اور اپنی نصرت سے تمہاری تائید کی، اور تم کو پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں تاکہ تم شکرگزار رہو) اللہ نے ان حالات سے اخلاص وعمل پیہم کے سبب نکال لیا، ہمیں یقین کامل ہے کہ یہ دین پھیلنے اور پھلنے پھولنے کے لیے آیا ہے، تو یہ باقی رہے گا خواہ ہم جیسے لوگ رہیں یا نہ رہیں، ليظهره على الدين كله ولوكره المشركون (براءت:۳۳) (ترجمہ: کہ ان کے دین کو تمام ادیان پر غالب فرمادے، چاہے مشرکوں کو یہ کیسا ہی برا لگے) اگر ہم نے اس دین کو اپنایا اور گلے سے لگایا تو خود یہ دین ہمیں بھی تحفظ فراہم کرے گا یہ وعدہ خود اس دین کی حفاظت کے وعدے میں مضمر ہے انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون (حجر:۹) (ترجمہ: ہم نے یہ نصیحت نامہ اتارا ہے اور ہم نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے) اور اسی کی مشروط بشارت ہے ان تنصروا الله ينصركم ويثبت اقدامكم (محمد:۷) (ترجمہ: اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور اور تمہارے قدم مضبوط جمادے گا) لیکن اگر دین کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے ساتھ اس کو زندگیوں پر، معاشروں پر، اداروں پر نافذ نہ کیا گیا تو پھر ہمارے بقا کی بھی کوئی ضمانت نہیں وإن تتولوا يستبدل قوما غيركم ثم لا يكونوا امثالكم (محمد:۳۸) (ترجمہ: اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے)

اگر واقعی ہم نے دین پر عمل کیا ہوتا تو آج ہمیں شریعت کے تحفظ کی مہم چلانے کی ضرورت نہ پڑتی، قرآن مجید ہمیں سوچنے کی دعوت دیتا ہے إن الذين اٰمنوا وعملوا الصالحات سيجعل لهم الرحمن ودا (مریم:۹۶) ترجمہ: یقیناً جو

لوگ ایمان لے آئے ہیں اور عمل صالح کر رہے ہیں عنقریب رحمٰن ان کے لیے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا) اس کا مطلب ہے کہ کہیں نہ کہیں ہم سے سمجھنے اور عمل کرنے میں کوتاہی ضرور ہو رہی ہے، بات یہیں تک ہوتی تو کوئی حرج نہ تھا، مگر نوبت بایں جا رسید کہ آج قرآن کا پیش کردہ مکمل اسلام نظروں سے اوجھل ہے، اس دور زوال میں اگر اس کا مکمل خاکہ ہی ہمارے سامنے رہتا اور اس کے لیے ایک کڑھن ہی ہوتی تو بھی بہت تھا، مگر ایسا نہیں ہے تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ وہ امت جس کو ایک آفاقی پیغام دیا گیا، جس کو ''خیر امت'' اور ''امت وسط'' بنا کر دوسروں کی ذمہ داری سونپی گئی تھی اس کی نظر ''للناس'' کے مشن سے ہٹ گئی اور وہ جماعتوں، گروہوں اور تنظیموں میں تقسیم ہوگئی۔

صحیح بات یہ ہے کہ آج سب لوگوں افتراق وانتشار کا شکوہ ہے اور سب اتحاد کے نعرے لگاتے ہیں، اجتماعیت کے داعی ہیں اور بہت سے مخلصین تو واقعی چاہتے ہیں کہ اتحاد ملت قائم ہو جائے، لیکن آخر یہ کیسے قائم ہو۔

اگر ہم فروعی اختلافات کو ختم کر کے اتحاد کا قیام چاہیں تو یہ ''علم'' کے منافی ہے اور تا قیامت اس طرح کے اتحاد کا قیام ممکن نہیں، اختلاف اگر علمی بنیادوں پر ہے اور اس کا وجود زندگی کی علامت ہے، اختلاف رائے صحت مند معاشرے کی دلیل ہے، بہت بڑی بات لکھی ہے مفتی محمد شفیعؒ نے جو کہیں نظر سے گزری ہے کہ ''اگر انسانوں کے کسی گروہ میں لوگ اختلاف نہیں کرتے تو اس کے دو ہی اسباب ہو سکتے ہیں، سب غبی ہیں یا پھر مفاد کے اسیر'' لہذا اگر علم اپنی حقیقی صورت میں باقی ہے تو فروعی اختلافات باقی رہیں گے، اس سلسلہ میں ہمارا طرز عمل یہ ہونا چاہیے کہ جس عمل سے ہمیں اختلاف ہے اگر وہ قرآن وسنت سے ثابت ہے تو گرچہ ہمارے نزدیک بوجوہ وہ عمل مرجوح وغیر افضل ہو مگر خاموشی اختیار کرنا لازم سمجھنا چاہیے، یہ دیکھنا چاہیے کہ صحابہ کرام کی مقدس جماعت کا کیا طرز عمل رہا ہے، اگر ان کے درمیان بھی وہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے تو صحابہ میں سے کسی کی رائے کو اختیار کر لینے اور اسی کو اسوہ بنا لینے میں نجات ہے، سلف صالحین کا یہی محتاط طریقہ رہا ہے۔

بات بگڑتی تب ہے، اختلاف مخالفت میں اس وقت تبدیل ہوتا ہے جب اس کی بنیاد علمی اور دینی نہیں رہ جاتی، بلکہ مادیت وفرقہ بندی نیز تنظیمی، جماعتی یا نسبی وخاندانی عصبیت اختلاف کی بنیاد بن جاتی ہے، اس صورت میں اسلام کا تعارف، اسلام کی تبلیغ، پیام محمدی کی آفاقیت اور کردار نبوی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے، پھر بات ہوتی ہے گروہی تعصب کی، شخصی حلقہ بندی کی، تنظیمی توسیع کی، اور اس طرح یہ اختلافات ایک ایسی خلیج بن جاتے ہیں جس میں گر کر امت کے ہلاک ہو جانے کا ہمہ وقت خطرہ لگا رہتا ہے۔

اس طرح کے اختلاف کی اساس سطحی علم اور ناقص فہم ہے، لکھنے والوں نے ان موضوعات پر بہت تفصیل سے لکھا ہے یہاں تفصیل کا موقع نہیں، البتہ یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآن پڑھ لینے اور اس کا ترجمہ کر لینے یا کہیں سے سند عالمیت لے لینے سے ہی کوئی عالم وصاحب فہم نہیں ہو جاتا، عمق علم کے کچھ اور تقاضے ہیں جن کے بغیر وہ ناقص ہی رہتا ہے، آج حال تو یہ ہے کہ صبح کو اخبار میں کچھ پڑھا، انٹرنیٹ پر کچھ دیکھا، کسی بولنے والے کی زبان سے کچھ سنا اور ایک نظریہ قائم کر لیا اور صاحب موقف بن گئے، یقین جانیے کہ اس طرز نے آج جس قدر نقصان پہنچایا ہے اس کا اندازہ صحیح طور پر لوگوں کو نہیں ورنہ آج اس قدر تعصّبات ہمارے معاشرے میں نہ ہوتے۔

اختلاف کا دوسرا اور بڑا سبب نفس پرستی، انا پرستی، خواہش پرستی ہے، یہاں اس کی مکمل تشریح وتفصیل مقصود نہیں مگر اتنا عرض کرنا ضروری ہے کہ انسان کبھی تو شعوری طور پر اس فتنہ میں مبتلا ہوتا ہے اور کبھی لاشعوری طور پر اس کا طریق اسے اسی فریب میں مبتلا کر دیتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ وہ کسی کی تردید کر رہا ہے، کسی کی نفی کر رہا ہے اور کسی کا اثبات کر رہا ہے، بظاہر یہ اس کے نزدیک خدمت دین ہوتی ہے مگر درحقیقت یہ اس کے نفس کی تسکین کا سامان ہوتا ہے، خواہش پرستی ایک مہلک مرض ہے کہ جس میں اچھے اچھے لوگ گرفتار

ہوتے ہیں اور صحیح معنی میں اس کا اندازہ وادراک بھی نہیں ہو پاتا، خواہش پرستی کبھی مذہبی واصلاحی کوششوں کے نام پر سوار ہو جاتی ہے، کبھی اصابت رائے کا روپ دھار لیتی ہے اور کبھی اور دوسرے اسباب کی وجہ سے اپنی زلف گرہ گیر کا اسیر بنا لیتی ہے۔

اختلاف وافتراق کی تیسری بڑی وجہ وہ اندھی تقلید ہے جو محض نظریاتی، جماعتی، خاندانی قومی وملکی بنیادوں پر قائم ہو، اکثر وبیشتر دیکھا گیا ہے کہ ایک نظریہ کسی زمانہ کے لیے بہت مفید تھا، ایک موقف کسی وقت بہت کارآمد تھا، گردش ایام کے سبب تقاضے بدل گئے، وقت بدل گیا، رُت بدل گئی لیکن نعرہ اسی نظریہ اور اسی موقف کا، غلطی یہاں یہ ہوتی ہے کہ اس موقع پر قرآن وسنت اور صحابہ کرام کے اجتہادات نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں، چودہ سو اڑتیس سالہ تاریخ اسلامی پس پشت ڈال دی جاتی ہے اور محض سو پچاس سال کی تاریخ سے استدلال واستنباط کی ضد ہوتی ہے، بس پھر اپنے مواقف ونظریات عقل سے چمٹے رہتے ہیں خواہ وہ ناموزوں ونامناسب کیوں نہ ہوں، اس طرح دوہرا نقصان ہوتا ہے، امت تخلف وانحطاط کا شکار ہوتی ہے، بروقت اسے جو غذا ملنی چاہیے وہ نہیں ملتی اور افتراق وانتشار کا عذاب مزید مسلط ہوتا ہے۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں اگر ان اسباب کا مزید جائزہ لیا جائے، اور اپنی تصویر اس آئینہ میں دیکھی جائے تو مسائل بڑی حد تک حل ہو سکتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس قوم کا خدا بھی ایک ہے، نبی بھی ایک ہے اور قبلہ بھی ایک ہے، یہ قوم بھی ایک ہو سکتی ہے بشرطیکہ وہ اسباب اختلاف کا جائزہ لے کر اپنی سمت متعین کر لے، اور ہر فرد وجماعت اپنا احتساب کرے، اگر مقصود اسلام کی بالادستی اور کلمۃ اللہ کی سربلندی ہے تو پھر طرز واسلوب اور طریقہ ومنہج کا اختلاف چہ معنی دارد؟ پھر باہمی تعاون وتذکیر اور محبت والفت کا معاملہ ہونا چاہیے، قرآن مجید نے یہی اصول فراہم کیا ہے وتعاونوا علي البر والتقوى تعاون کا ادنی درجہ یہ ہے کہ اگر ہم کسی کی تائید نہ کریں تو اس کی مخالفت بھی نہ کریں بلکہ خاموشی اختیار کریں، لیکن یہ ممکن تب ہی ہے جب علم میں گہرائی اور وسعت ہو، اتباع نفس کے بجائے قرآن وسنت کی اتباع مقصد ہو، روایات وتقالید کی پابندی کے بجائے قرآن وسنت اور صحابہ واسلاف کے نظریات ومواقف کا سرمایہ پیش نظر ہو، مسلک، جماعت، نظریہ اور انفرادی رائے کو مسلط کرنے اور ہر ایک پر تھوپنے کی ضد نہ ہو، ہاں اگر بات اسلام کے نام پر کفر کی آجائے، توحید کے پردے میں شرک آجائے، مذہب کی آڑ میں ضلال وبدعات در آئیں تو پھر حکم ہے ولا تعاونوا علي الاثم والعدوان، اس طرح اگر جائزہ لیا جائے اور اپنی تصویر خود قرآن وسنت میں دیکھی جائے تو اتحاد ملت کا قیام ممکن ہے ورنہ یہ محض ایک خواب ہے جس کی تعبیر حد امکان سے باہر ہے، ایک خوش کن نعرہ ہے جو جلسہ وجلوس اور لچھے دار تقریروں کے ساتھ خاص ہے، قرآن میں سب کے کردار موجود ہیں پڑھے تو کوئی اس کو اس نظر سے لقد أنزلنا إليكم كتابا فيه ذكركم افلا تعقلون اور وہی قرآن یہ بھی کہتا ہے وآخرون اعترفوا بذنوبهم خلطوا عملا صالحا وآخر سيئا عسى الله أن يتوب عليهم إن الله غفور الرحيم۔ (توبہ:۱۰۲) (ترجمہ: دوسرے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اعمال کے ساتھ کچھ برائیاں بھی ملا رکھی ہیں، امید ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے، بیشک اللہ بہت رحم کرنے والا اور بہت مغفرت فرمانے والا ہے)

بڑی مصیبت یہ ہے کہ آج ہم میں سے ہر ایک کو صائب ہونے، راجح ہونے، صحیح ہونے کا دعوی ہے، ہر کوئی مخدوم بننے کا خواہاں ہے کوئی خادم نہیں بننا چاہتا، ہر کس وناکس کو دعویٰ علم ہے کوئی طالب علم رہنا گوارہ نہیں کرتا، ہر کسی کو منصب قیادت کی تلاش وطلب ہے کوئی کسی کی قیادت میں صبر وشکر کے ساتھ رہنا نہیں چاہتا، اظہار کریں نہ کریں مگر اکثریت کا عمل ''جھنڈا اونچا رہے ہمارا'' کا مصداق ہے، آج سب کچھ موجود ہے مگر آپسی اتحاد اور باہمی تعاون کا وہی جذبہ مفقود ہے کہ جس کی ایک پھُنکار سے ہی بڑی بڑی سلطنتوں پر لرزہ طاری ہو جایا کرتا تھا۔

اتحاد ہی وہ طاقت ہے جس سے امت کو سربلندی حاصل ہوتی ہے، پرسکون فضا قائم ہوتی ہے، افراد ملت کو کام کرنے اور آگے بڑھنے نیز ملت کو آگے بڑھانے کے مواقع حاصل ہوتے ہیں، عدل وانصاف کا چلن ہوتا ہے، ذہنی وفکری گھٹن سے نجات ملتی ہے اور لوگوں کے درمیان الفت ومحبت کے جذبات فروغ پاتے ہیں، اس طرح ایک ایسا معاشرہ وجود میں آتا ہے جس کا ہر فرد ملت کا مقدر بن جاتا ہے، اس کے وجود سے ملت کو فائدہ پہنچتا ہے، اور پھر سب کی کوششوں سے ملت کو وہ عروج نصیب ہوتا ہے جس کی بشارت قرآن وحدیث میں موجود ہے، وہ عروج مکمل اسلام پر عمل اور ان کنتم مومنین کی شرط پوری ہونے پر نصیب ہوا، جب جب اس سے منہ موڑا گیا تو عروج نے بھی منہ موڑ لیا، پھر اگر اسے گلے لگا لیا جائے تو عروج مقدر بن جائے گا، اس عروج کو حاصل کرنے کے سفر میں پہلی منزل اتحاد وباہمی تعاون کی ہے، یہ وقت کی شدید ترین ضرورت ہے، گروہی، تنظیمی، جماعتی، مسلکی اور شخصی مفادات وتحفظات سے بالا ہوکر جذبۂ تعاون کو فروغ دینا اس وقت ملت کی سب سے بنیادی ضرورت ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بہ خاکِ کاشغر

ہندستان میں پرانے نوٹوں پر پابندی:

۸نومبر کی رات ۸ بجے وزیراعظم ہند نے ایک جمہوری ملک میں شاہانہ انداز میں یہ فرمان جاری کیا کہ آج رات ۱۲ بجے سے پانچ سو اور ۱۰۰۰ کے نوٹ نہیں چلیں گے، لوگوں نے اس کو شاہی فرمان اور محاورے کی زبان میں ''تغلقی فرمان'' سے تعبیر کیا۔

اس معاملہ کے کا جائزہ لینے اور اس پر سیاسی وقانونی اعتبار سے غور کرنے سے قبل ذرا اس پہلو پر نظر ڈالیے کہ اس اچانک اعلان سے لوگوں کو کیسی مایوسی ہوئی، کس قدر تکلیف ہوئی، لوگ بنیادی ضروریات زندگی کے لیے بھی ترسنے لگے، لمبی لمبی قطاروں میں بھوکے پیاسے کھڑے رہنا مقدر بن گیا، صرف اتنا ہی ہوا کہ ہزار اور پانچ سو کے نوٹ بند کردیے گئے، سو پچاس بیس اور دس کے نوٹوں کا چلن تھا، پھر بھی چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں، ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، پیسہ موجود ہے مگر کچھ خرید نہیں سکتے، کچھ کھا نہیں سکتے، کہیں جا نہیں سکتے، علاج بھی ممکن نہیں، اپنی کمائی، اپنی پونجی اور اپنی دولت اپنے پاس موجود ہونے کے بعد یہ بے بسی اور ایسی لاچاری وبے کسی ___ ذرا تصور کیجئے کہ میدان حشر قائم ہوگا، سب احکم الحاکمین کے سامنے ہوں گے، اس دن اسکے سوا کسی کا حکم نہ چلے گا، اس دن اگر یہ کہہ دیا گیا کہ آج تمہارے اعمال یہاں نہیں چلیں گے، آج تمہاری نیکیاں بھی اکارت جائیں گی، آج یہاں کوئی تمہارا حامی وناصر اور شفاعت کرنے والا نہ ہوگا تو سوچیے پھر کیا عالم ہوگا، ذرا اس وقتی بے بسی پر آخرت کو قیاس کیجئے۔ واتقوا یوما لا تجزی نفس عن نفس شیئا ولا یقبل منها عدل ولا تنفعها شفاعة ولا هم ینصرون (بقرہ:۱۲۳) (ترجمہ: اور اس دن سے ڈرو جب کوئی شخص کسی شخص کا بدلہ نہ دے سکے گا، اور نہ اس سے فدیہ قبول کیا جائے گا، اور نہ کوئی سفارش اس کو فائدہ پہونچائے گی، اور نہ ان کو (اس سے) مدد ملے گی۔)

یہاں تو احتجاج واعتراض کا بھی حق حاصل ہے لیکن وہاں تو صرف جزا وسزا کی تقسیم وتعیین ہوگی، کسی طرح کے سوال و اعتراض کا کوئی حق حاصل نہ ہوگا، پھر اس بے بسی کے عالم میں کیا ہوگا۔ قوله الحق وله الملك یوم ینفخ فی الصور عٰلم الغیب والشهادة وهو الحكيم الخبير (انعام:۷۳) (ترجمہ: اس کی باتیں برحق ہیں، اسی کی بادشاہت ہوگی اس دن جب صور پھونکا جائے گا وہ کھلی اور چھپی ہوئی تمام چیزوں کو جانتا ہے، اور وہ حکمت والا اور باخبر ہے) اور جس دن حال یہ ہوگا

ولقد جئتمونا فرادیٰ کما خلقنکم أول مرة وترکتم ما خولنکم وراء ظهورهم وما نریٰ معکم شفعاء کم الذین زعمتم أنهم فیکم شرکاء لقد تقطع بینکم وضل عنکم ما کنتم تزعمون (انعام:۹۴)(ترجمہ:(اس دن اللہ کہے گا) تم ہمارے پاس اسی طرح اکیلے حاضر ہوئے ہو، جس طرح پہلی مرتبہ ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا، اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا تھا وہ تم اپنی پیٹھ پیچھے چھوڑ کر آئے ہو، اور آج ہم تمہارے مددگار اور سفارشی بھی نہیں دیکھ رہے ہیں جن کے بارے میں تمہارا دعویٰ تھا کہ وہ تمہارے سلسلہ میں خدائی کے شریک ہیں، سارے رشتے ناطے ٹوٹ گئے، اور تمہارے نام نہاد خدا رفو چکر ہوگئے) اور جس دن خود اعضاء انسانی گواہی دیں گے یوم تشهد علیهم السنتهم وأیدیهم وأرجلهم بما کانوا یعملون (نور:۲۴)(ترجمہ: جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور ان کے پیر ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے) اور جس دن زبانوں پر مہر لگادی جائے گی الیوم نختم علی افواههم وتکلمنا ایدیهم وتشهد ارجلهم بما کانوا یکسبون (یسین:۶۵)(ترجمہ: آج ہم ان کے منہ بند کئے دیتے ہیں ان کے ہاتھ ہم سے بولیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ یہ دنیا میں کیا کمائی کرتے رہے ہیں) جس دن نہ کوئی معذرت قبول ہوگی نہ اس کا حق باقی رہ جائے گا یوم لا ینفع الظلمین معذرتهم (غافر:۵۲)(ترجمہ: اور جب ظالموں کو ان کی معذرت کچھ بھی فائدہ نہ دے گی)۔

دن بھر کی تھکن، قطار میں لگنے، کھڑے رہنے، دھکے کھانے کا منظر آپ کے سامنے ہے، آخر میں اگر بینک کے ذمہ داران کہہ دیں کہ کرنسی ختم ہوگئی، تو مایوسی اور پھر اس پر احتجاج کی خبریں اور توڑ پھوڑ کی وارداتیں آپ پڑھ چکے ہیں، بہت جدوجہد کے بعد اگر نوٹ بدل جائیں تو جو خوشی ملتی ہے اس کا تجربہ بھی ہوا ہوگا، اس منظر سے گزرنے کے بعد ذرا میدان حشر کا تصور کیجئے اور وہاں کی بے بسی ذہن میں رکھیے اور یہ آیات پڑھیے فاما من أوتی کتابه بیمینه فیقول هآؤم اقرء وا کتابیة، إنی ظننت أنی ملاق حسابیه، فهو فی عیشة الراضیة، فی جنة عالیة، قطوفها دانیة، کلوا واشربوا هنیٓئا بمآ اسلفتم فی الایام الخالیة، واما من اوتیَ کتابه بشماله فیقول یٰلیتنی لم أوت کتابیة، ولم أدرِ ما حسابیة یٰلیتها کانت القاضیة، ما أغنیٰ عنی مالیة، هلك عنی سلطانیة۔ (حاقہ:۱۹-۲۹)(ترجمہ: اس وقت جس کا نامہ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا، لو، دیکھو، پڑھو میرا نامہ اعمال، میں سمجھتا تھا کہ مجھے ضرور اپنا حساب ملنے والا ہے پس وہ دل پسند عیش میں ہوگا، عالی مقام جنت میں، جس کے پھلوں کے گچھے جھکے پڑ رہے ہوں گے (ایسے لوگوں سے کہا جائے گا) مزے سے کھاؤ اور پیو اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم نے گزرے ہوئے دنوں میں کئے ہیں۔ اور جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا: کاش میرا نامہ اعمال مجھے نہ دیا گیا ہوتا اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے، کاش میری وہی موت (جو دنیا میں آئی تھی) فیصلہ کن ہوتی، آج میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا، میرا سارا اقتدار ختم ہوگیا)

ذرا اس پورے منظر نامہ پر نظر رکھتے ہوئے اس مشہور حدیث کو بھی پڑھ جایئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم مفلس کس کو خیال کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا ہم مفلس اسے کہتے ہیں جس کے پاس درہم اور سامان نہ ہو آپ ﷺ نے فرمایا میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز روزہ زکوۃ لے کر آئے گا، مگر اس نے کسی کو گالی دی ہوگی اور کسی پر تہمت دھری ہوگی اور کسی کا مال لیا ہوگا اور کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا۔ تو اس کی نیکیاں ان مظلوموں کو دے دی جائیں گی، پھر اگر اس کے ذمہ ادائیگی حقوق سے پہلے ہی اس کی نیکیاں ختم ہوجائیں گی تو مظلوموں کی غلطیاں اس ظالم پر ڈال دی جائیں گی پھر اسے آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ (مسلم)

عبرت وسبق آموزی کے نظریہ سے غور کرنے کے بعد اب اس پہلو کو دیکھیے ،حکومت نوٹوں کی تبدیلی سے کالے دھن پر قابو پانا چاہتی ہے، جبکہ کالے دھن پر قابو محض دل کی تبدیلی اور خوف آخرت کے سبب ہی پایا جاسکتا ہے، اگر عقیدہ درست نہیں اور دل کی حالت صحیح نہیں تو کالے دھن پر پابندی بھی ممکن نہیں، ویسے بھی یہ بات ماہرین کہہ چکے ہیں کہ نوٹوں کی تبدیلی سے کرپشن پر قابو پانا ممکن نہیں، کالا دھن بھی دو طرح کا ہوتا ہے، ایک وہ جسے حکومت کالا دھن سمجھتی ہے، یعنی جس پر انکم ٹیکس (جبکہ ٹیکس ظالمانہ حدود میں داخل ہو گیا ہو) نہ دیا گیا ہو اور جسے لوگوں نے اپنے پاس رکھا ہو خواہ صحیح طریقہ سے ہی کمایا ہو، اور ایک وہ جسے اسلام کالا دھن سمجھتا ہے یعنی وہ مال جو ناجائز طریقوں سے کمایا گیا ہو، وہ مال جو سینت سینت کر جمع کیا گیا ہو اور اس کی زکوۃ نہ ادا کی گئی ہو، اسی لیے ہمارے فقہاء انکم ٹیکس (جب وہ ظلم وجبر کی حد میں داخل ہو جائے) کو جبری ٹیکس سمجھتے ہیں، اس سے بچنے کے حیلے کو چوری نہیں قرار دیتے اور انکم ٹیکس میں بینک انٹرسٹ کے استعمال کو بھی جائز قرار دیتے ہیں، حکومت کو درحقیقت یہ سوچنا چاہیے کہ عوام انکم ٹیکس کی چوری کیوں کرتے ہیں، میرا نظریہ ہے کہ اس ملک میں انکم ٹیکس کی چوری کا چلن اس لئے ہے کیوں کہ ہمارے یہاں ٹیکسز سے مفاد عامہ کے کام کم ہوتے ہیں، وی آئی پی کلچر اور انتخابات پر اخراجات زیادہ ہوتے ہیں، ملک کا ایک چھوٹا طبقہ ہے جس کو تمام اعلیٰ درجہ کی سہولیات حاصل ہیں اور ملک کی کثیر آبادی کو بنیادی سہولیات بھی حاصل نہیں، آزادی کے بعد سے اب تک کے سفر میں ملک میں تجارتی اسکولوں اور تجارتی اسپتالوں کا بے انتہا اضافہ ہوا ہے مگر سرکاری اسکول اور سرکاری اسپتال جو کچھ ہیں وہ بھی بنیادی تعلیم اور بنیادی سہولیات سے خالی ہیں، آج بھی اس ملک کی ایک بڑی آبادی پچھڑی ہوئی ہے، بے شمار علاقے ہیں جہاں کا معیار زندگی دیکھ کر لگتا ہے کہ ہم ۷۰ سال پہلے کے دور میں پہنچ گئے، یہ وہ بنیادی وجہ ہے جس کے سبب انکم ٹیکس کی چوری ہوتی ہے، اور پھر یہ ٹیکس بھی ظالمانہ ہوتا ہے ذرا سوچیے کہ اگر کوئی اپنی کمائی کا ایک کروڑ دکھائے تو اسے ۳۳٪ ٹیکس دینا ہے اور اسی پر بس نہیں ہوتا، ایک چیز کی اصل قیمت ۳۰-۳۵ روپیہ ہے اور وہ ملک میں آتی ہے تو مرکز وصوبہ سے ہوتی ہوئی جب تاجروں تک پہنچتی ہے تو اس کی قیمت دوگنے سے زائد ہو چکی ہوتی ہے، پھر تاجر بھی اپنا خیال رکھتا ہے جس کے نتیجہ میں مہنگائی بڑھتی ہے، ٹیکس بچایا جاتا ہے اور حکومت کو کالا بازاری کا شکوہ ہوتا ہے، درحقیقت عوام اور ملی قائدین کو یہ سمجھنے اور پرزور طریقہ پر یہ آواز بلند کرنے کی ضرورت ہے، کہ جس طرح حکومتیں خود دہشت گردی کی سرپرست وموجد ہیں اسی طرح وہ خود ہی کالا بازاری کو بھی فروغ دیتی ہیں۔

وزیر اعظم کے اس شاہی فرمان نے حکومت کی تمام ناکامیوں پر فوری طور پر پردہ ڈال دیا اور تمام جابرانہ پالیسیاں اس فرمان سے پیدا ہونے والی الجھنوں کا شکار ہو کر رہ گئیں، کشمیر میں غیر انسانی سلوک جاری ہے، اس پر پردہ ڈالنے کے لیے فرضیکل اسٹرائک کا ڈرامہ رچا گیا، اس پر مذمت شروع ہوئی اور درباری بھونپو کی مثال پیش کرنے والے میڈیا پر سوشل میڈیا بھاری پڑنے لگا تو ملک کی ایک مؤقر یونیورسٹی سے ایک طالب علم غائب ہو گیا، لیکن اب جواہر لال نہرو یونیورسٹی سے غائب ہونے والے اس طالب علم کی ماں کی چیخیں اور طلبہ کا احتجاج بھی دب گیا، لا کمیشن کا سوالنامہ بھی اس حد تک موضوع بحث نہ رہ گیا، بھوپال انکاؤنٹر سے پیدا ہونے والے بھونچال کے امکانات بھی دم توڑ گئے، حکومت اپنے وعدوں کے سبب سوالوں کے گھیرے میں تھی، اس ملک کے امیروں کا کالا دھن سوئز بینکوں میں جمع ہے، حکومت نے سودن میں اسے واپس لانے کا وعدہ کیا تھا، ظاہر ہے یہ کام حکومت کے لیے مشکل تھا، اس لیے نہیں کہ وہ کر نہیں سکتی تھی، اس لیے مشکل تھا کہ سوئز بینکوں میں دولت رکھنے والے اور حکومت کرنے والے سب ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے ہیں، کچھ تو کرنا تھا بہر حال کر دیا، پورے ملک کے غریبوں، فقیروں، اوسط درجہ کے لوگوں کو لائن میں لگا دیا، ملک ایک طرح سے مالی بحران کا شکار ہو گیا، ایمرجنسی جیسے حالات پیدا کر دیئے گئے، یہ دجالی نقطۂ نظر ہے، ایک انسان کی کمائی ہوئی دولت اس

کا ذاتی حق اور اس کی اپنی ملکیت ہے، کس کے گھر میں کیا ہے اور کون کتنی دولت کا مالک ہے اس سے حکومت کو کوئی سروکار نہیں، اسلام میں آمدنی پر کوئی ٹیکس نہیں، البتہ یہاں ہم ایک وعدہ اور عہد کے تحت رہتے ہیں تو یہاں کے قوانین کا بھی پاس ولحاظ کرتے ہیں، لیکن موجودہ صورتحال میں جو رویہ اپنایا گیا ہے اسلامی نقطہ نظر سے اس کا کوئی جواز نہیں، بدقسمتی سے مسلمان بھی اس حلال کمائی کو کالا دھن سمجھنے لگے ہیں جس پر ٹیکس نہ دیا گیا ہو یا جسے گھر میں رکھا گیا ہو اگرچہ حکومت اور قانونی نقطۂ نظر سے وہ کالا دھن ہی ہے، بہرحال اب ہندستانی حکومت یہودی فکر کے تابع ہے، یہودیوں کی اپنی خفیہ پالیسی (یہودی پروٹوکول) پر عمل درآمد کے ذریعہ پوری دنیا کی دولت پر ان کا قبضہ ہے تو ان کے ہم مشرب اور اسلام دشمنی میں ان سے قریب تر لوگوں کا کم از کم ایک پورے ملک کی دولت پر قبضہ ہو اور اس طرح نہ صرف اس پالیسی پر عمل ہو سکے بلکہ اس کے ذریعہ یہاں کی دولت بھی یہودیوں کے قبضہ میں آئے ساری دولت کا ارتکاز بینکوں میں ہو، لوگ اپنی خون پسینہ کی کمائی کو خرچ کرنے اور نکالنے میں حکومت کی مرضی کے محتاج ہوں یہ ہے اصل پالیسی جس کو بروقت لوگ شاید سمجھ نہیں پا رہے ہیں، وہ اسے محض کرنسی کی تبدیلی سمجھ رہے ہیں۔

اس فسطائی حکومت نے اس وقت بھی دہشت گردی، دیش بھکتی اور کالا دھن کا کارڈ کھیلا ہے، اس نے نوٹ بندی کو ان مسحور کن نعروں سے جوڑ دیا ہے اگرچہ تجزیہ نگار یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ ڈوبتی معیشت اور دیوالیہ ہوتے ہوئے بینکوں کو بچانے کے لئے اچانک لیا گیا فیصلہ ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اس پر صحیح طریقہ سے ہوم ورک بھی نہیں ہوا، یہی بات کلکتہ ہائی کورٹ نے کہی ہے، بہرحال اس کھیل میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہوئی ہے، منصف مزاج لوگ کہہ رہے ہیں کہ اس وقت کی سب سے خطرناک صورت حال یہ ہے کہ جس کو ذرا بھی برسر اقتدار لوگوں سے اختلاف ہو اسے دیش دروہی قرار دے دیا جائے، کسی فیصلہ پر آپ سوال کر لیں اور دیش دروہی بن جائیں، میں نے لکھا تھا اور بار بار لکھا تھا کہ اب پالیسیاں اسرائیل میں بنیں گی اور بن رہی ہیں، آر ایس ایس کا بہت پرانا تعلق ہے، ہندوستان کی تاریخ میں پہلی بار اسی حکومت نے اپنے آئی پی ایس افسران کو اسرائیل بھیج کر ٹریننگ دلائی، آپ اگر آر ایس ایس اور حکومت کے طرز عمل بالخصوص وزیر اعظم کے طرز عمل پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوگا کہ یہودی ٹریننگ کا جادو کس طرح سر چڑھ کر بول رہا ہے، موجودہ ''نوٹ بندی اسکیم'' ایک بڑی اور خطرناک سازش کی تمہید ہے، جناب والا کی بیان بازی ایسی حسین ودلکش اور مرعوب کن ہے کہ زبان زدِ خاص وعام ہوگئی ہے اور ان کا لقب ہی ''جملہ باز'' پڑ گیا ہے، یہودی پروٹوکول کا ایک اہم جزئیہ ہے کہ ہمیں بسا اوقات ایسے فیصلے صادر کرنے پڑیں گے جس کو لوگ غیر معقول اور غیر منصفانہ کہیں گے مگر اپنے خوبصورت انداز بیان اور دلکش اسلوب اور مؤثر جملوں سے ہم کو اپنے مفاد کے حصول کے لیے عوام کو بہرصورت مطمئن کرنا ہوگا، مطلق العنانیت کا ثبوت اس فیصلہ نے دیا اور اس کو صحیح باور کرانے کے لیے مؤثر تقریر اور رونا دھونا اسی دلکش اسلوب کی مثال ہے، ''چائے کڑک بناتے تھے تو فیصلے بھی کڑک لیتے ہیں'' یہ بیان مستبدانہ ذہنیت کا عکاس ہے، پریس کی طاقت کو خرید کر جس طرح استعمال کیا ہے وہ جگ ظاہر ہے، عورتوں سے ہمدردی اور آزادی کی تعبیر، سیاسی آزادی کا حوالہ بار بار دے کر جس طرح استحصال کیا ہے اس سے اچھے اچھے لوگ مبہوت رہ گئے ہیں، جس طرح دوسو فیصد جرمانہ کا اعلان کیا گیا ہے اور ٹیکسز کی بھرمار کرنے کی جو مہم چھیڑنے کا ارادہ ہے وہ ٹیکسز کی اہمیت اور ترقیاتی کاموں کے لے ترقیاتی ٹیکسز کے یہودی منصوبوں کا حصہ ہے، ہم کرنسی کی اس تبدیلی کو یہودیوں کے مالیاتی پروگرام اور کرنسی کے اجراء کے نظریہ سے دیکھتے ہیں، ہندوستان میں ''نوٹ بندی'' کوئی یہ پہلی مرتبہ نہیں ہوئی ہے مگر اس بار جو انداز اپنایا گیا وہ ہمارے نظریہ کو صادر کرتا ہے، سرکاری قرضے، اور جن دھن یوجنا وغیرہ کا تفصیلی مطالعہ اس حقیقت کو اور واشگاف کرے گا، ہمیں اس موقع پر یہ بھی کہنے دیجئے کہ جس طرح ہم اپنے آپ کو یہود کے اپنے مفادات کے

حصول کے لیے قائم کیے گئے تعلیمی نظام، اور فروغ دیے گئے فحش ادب اور فحاشی وعریانیت سے نہ محفوظ رکھ سکے بلکہ اس کو سمجھ تک نہ سکے، مذہب کے خلاف چھیڑی گئی ان کی جنگی مہم کا ادراک نہ کر سکے اسی طرح ہم ان کے مالیاتی پروگرام کو بھی نہیں سمجھ پا رہے ہیں، ہمیں جس چیز نے سب سے زیادہ فریب دیا ہے بلکہ جس نے تمام عرب ممالک کو غلام بنا دیا ہے وہ یہودیوں کا آزادی، مساوات اور بھائی چارہ Liberty, Equality, Fraternity کا دیا گیا پرفریب نعرہ ہے، جس کے متعلق ان کا خود کہنا ہے کہ ہم نے یہ جو نعرہ دیا وہ دنیا کے ہر گوشہ میں پھیل گیا اور ہم اپنے ان اندھے ایجنٹوں کے شکر گزار ہیں جنہوں نے اس نعرے کو دنیا کے ہر خطے میں بلند کر رکھا ہے، اس نعرے نے ہمیشہ غیر یہودیوں کے مفادات کو نقصان پہنچایا ہے اور انہیں کبھی سکون وچین نصیب نہ ہونے دیا ہے، ''سب کا ساتھ سب کا وکاس'' کا نعرہ لگانے والے نے ڈھائی سال کی مدت میں جو کچھ کیا ہے وہ سامنے ہے، اگر مشرکین یہودیوں کی پالیسیوں پر عمل پیرا ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں، اس امر کو لتجدن اشد الناس عداوة للذين اٰمنوا اليهود والذين اشركوا کی روشنی میں دیکھنا چاہیے، اور اہل اسلام کے خلاف اس وقت پوری دنیا میں جو جنگ برپا کی گئی ہے اس کا جائزہ اس تناظر میں لینا چاہیے ___ اس پر طرفہ یہ کہ اسرائیل کا ملعون زمانہ اور معصوموں کا قاتل صدر ۶ دن کے سرکاری دورے پر ہندستان آرہا ہے ___ ۶ دن کی مدت میں کیا کیا ہوگا بس خدا خیر کرے ___ ہندوستان کی تاریخ رہی ہے کہ اس نے ہمیشہ مظلوموں کا ساتھ دیا ہے، مگر آج وہ ظالموں کے ساتھ کھڑا ہے، ۹۰ کی دہائی میں عالمی امن کے پیش نظر اس نے اسرائیل سے سفارتی تعلقات قائم کیے تھے، مگر فلسطین کی حمایت جاری رکھی تھی، آج ہند اسرائیل تعلقات عروج پر ہیں جبکہ اسرائیل جنگی جرائم کا مرتکب مجرم ثابت ہو چکا ہے، سچ یہ ہے کہ وہ ایک دہشت گرد ملک Terrorist State ہے مگر اب اس ملعون صدر کے ساتھ حکومت ہند ۲۵ سالہ سفارتی تعلقات پر جشن منانے کی تیاری کر رہی ہے، منصف مزاج برادران وطن کو ساتھ لے کر ہماری ملی تنظیموں کو اس کے خلاف اپنی تاریخ کا سب سے پرزور احتجاج درج کرانا چاہیے۔(۱)

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ حکومت اور اس کے مختلف افراد نے اپنے کالے دھن کو پہلے ہی سفید کر لیا ہے، پہلا ثبوت یہ ہے کہ ۲۰۱۴ میں جب کانگریس نے پرانے نوٹوں کی تبدیلی کی بابت نظریہ پیش کیا تو سب سے سخت مخالفت برسر اقتدار جماعت نے کی تھی اور یہ حوالہ دیا تھا کہ غریب لوگ تباہ ہو جائیں گے، آج لوگوں نے خودکشی کا افراتفری کا ماحول ہے، غریبوں کی فاقہ کشی اور دوگنی ہوگئی، تادم تحریر اس منتشر صورتحال سے پچاس سے زائد موتیں ہو چکی ہیں، یہ وہ ہیں جن کا رکارڈ ہے اور جن کے مرنے کا سبب نوٹ بندی کا یہ فیصلہ ہے، بڑھتی مہنگائی حکومت کو نظر نہیں آتی، ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو اس صورت حال سے کوئی مطلب نہیں تھا بلکہ اصل مسئلہ یہ تھا کہ وہ اقتدار میں نہ تھے تو ان کا کالا دھن سفید نہ ہو پاتا، اب پابندی لگائی تو اپنا کالا دھن پہلے ہی سفید کر لیا اور جلے پر نمک یوں چھڑک رہے ہیں کہ جو ''غریب ہیں وہ چین کی نیند سو رہے ہیں اور امیر نیند کی گولیاں کھا رہے ہیں''، جبکہ صورت حال یہ ہے کہ لمبی لمبی قطاروں میں کھڑے ہونے والے سب غریب ہیں، بے ہوش ہو کر گرنے والے بھی غریب ہیں، کوئی امیر اور وزیر بلکہ چھوٹا وی آئی پی بھی لائن میں نہیں، بلکہ جب لوگ دو دو ہزار کے نئے نوٹ کے لیے پریشان ہیں تو بھاجپائی وزیر کی بیٹی کی شادی پانچ سو کروڑ کی لاگت سے ہو رہی ہے، دو ہزار کے نوٹ میں کئی لاکھ کی رشوتیں دی جا رہی ہیں، آخر ان کے پاس یہ نوٹ کہاں سے آئے، ہمارے ملک کے اکثر عوام کا حال تو یہ ہے کہ وہ بے چارے کالا دھن کسے کہتے ہیں اس سے بھی واقف نہیں، یقین نہ ہو تو لائن میں

(۱) اس تحریر کے بعد ہماری بعض ملی تنظیموں نے یقیناً احتجاج کیا مگر وہ ایسا ملک گیر احتجاج نہ تھا جس کی مثال پہلے قائم ہو چکی ہے۔

کھڑے غریبوں اور سیدھے سادے لوگوں سے پوچھ کر دیکھ لیجئے، ہمارے مذکورہ بالا دعوی کے ثبوت بھی سوشل میڈیا پر موجود ہیں، وزیر اعظم کا کہنا ہے کہ یہ بات پوری طرح صیغۂ راز میں رکھی گئی تھی، مگر ہندی روزنامہ بلکہ آر ایس ایس کی ملکیت سمجھا جانے والا اخبار دینک جاگرن اکتوبر میں یہ خبر شائع کر چکا کہ دو ہزار کا نوٹ آنے والا ہے، ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ وزیر اعظم کے مطابق نوٹوں کی چھپائی ۶ ماہ سے جاری تھی اور ان پر دستخط دو ماہ پہلے مقرر ہوئے گورنر کے ہیں، ایسا کیوں اور کیوں کر ہوا؟؟ ۸ نومبر کو پابندی لگتی ہے اور ۶ نومبر کو پنجاب میں بی جے پی کی لیگل سیل کا کنوینر ایک کروڑ بینک میں جمع کرتا ہے، بنگال میں بی جے پی کا ذمہ دار ممبر ایک کروڑ ۸ نومبر کو ہی بینک میں جمع کرتا ہے، بی جے پی کا ایک فرد دو دن پہلے ہی دو ہزار کے نوٹ کی تصویر ٹوئیٹر پر پوسٹ کر دیتا ہے، اگر یہ حکم نامہ صیغۂ راز میں تھا تو پھر یہ سب کیسے ہوا ___ اور اگر یہ سب ہوا تو اس کا مطلب کہ اپنے لوگوں کا مال حلال کر دیا گیا اور باقی پورے ملک کے باشندوں کی جیب پر ڈاکہ ڈال دیا گیا ___ ذرا بینکوں کا ڈاٹا اٹھا کر دیکھیے جنوری سے جون تک سب کا ڈپازٹ اسٹیٹس مائینس (-) میں نظر آئے گا اور جولائی اگست ستمبر اکتوبر میں یکا یک سارے بینکوں میں ڈپازٹ کی فیگر ایک دم بڑھ جاتی ہے، آخر یہ کیوں ہوا ؟؟ اور کیسے ہوا؟؟ یہ اور ایسے بہت سے سوالات ہیں، جو دہلی کے وزیر اعلیٰ نے دستاویزی ثبوتوں کے ساتھ دہلی کے ایوان میں اٹھائے ہیں، میں ان کی جرأت اور ان کی حق بیانی پر ان کی تعریف کرتا ہوں، یہ بات بالکل طے شدہ ہے کہ یہ حکومت غریبوں کی نہیں بلکہ امیروں کی دوست ہے، وجے مالیہ ہزاروں کروڑ کا لون لے کر بھاگا اور حکومت نے بھگایا، بڑی بڑی کمپنیوں پر لاکھوں کروڑ قرض ہے، اور ماہرین کے مطابق وہ ملنا بھی نہیں جبکہ بجٹ سیشن میں ہزاروں کروڑ قرض، ان ارب پتی لوگوں کا حکومت نے معاف کیا گیا، یہ سب اس بات کا ثبوت ہے کہ اس حکومت کی سوچ سرمایہ دارانہ ہے، غریبوں سے اسے کوئی مطلب نہیں۔

بہر حال ہم اس پر انہیں قصوروار نہیں ٹھہراتے اور نہ ہی ان کا قصور ہے، جس کا جو نظریہ ہے وہ اسی کے اعتبار سے کام کرتا ہے، ہم نے جب جگہ خالی کر دی تو کوئی نہ کوئی اس جگہ کو پُر کرے گا اور جو آئے گا وہ اپنے حساب سے کام کرے گا، لیکن یہ بات مسلّم ہے کہ موجودہ حکم نامہ یکسر غلط ہے، نوٹوں کی تبدیلی سے نہ کرپشن رکے گا اور نہ کالا دھن باہر آئے گا، کالا دھن رکھنے والے تو ملک سے باہر رکھتے ہیں، یا پھر گولڈ، ڈائمنڈ اور زمین کی شکل میں رکھتے ہیں، جو کل ہزار کے دس نوٹ میں رشوت دیتا اور لیتا تھا وہ اب دو ہزار کے پانچ نوٹ استعمال کرے گا، ہزار کے نوٹ جمع کر کے چھپانا قدرے مشکل تھا دو ہزار کے نوٹ نے مزید آسانی پیدا کر دی۔

کالا دھن تو سوئز بینکوں میں ہے جس کی لسٹ مع اکاؤنٹس نمبرات حکومت کے پاس موجود ہے، خود آر بی آئی کے سابق گورنر کا کہنا ہے کہ نوٹوں کی تبدیلی سے کرپشن نہیں رک سکتا، ابھی پوری طرح نئی کرنسی بازار میں آئی نہیں اور دو جگہ سے جعلی نوٹوں کے پکڑے جانے کی خبر آ چکی، بینک کی گڈی میں نوٹوں کی فوٹو کاپی والے نوٹ نکلے، ہاف پرنٹ کے نوٹ آئے، اس حکم نامہ سے فوری طور پر باشندگان ملک کو جو پریشانی ہوئی اور ہو رہی ہے وہ اپنی جگہ لیکن آنے والے وقت میں اہل وطن اور بالخصوص انکم ٹیکس کو جبری ٹیکس سمجھ کر اس سے بچنے کی کوشش کرنے والوں کے لیے مزید پریشانیاں ہوں گی، اس کا ایک مقصد دستور میں دی گئی بہت سی آزادیوں پر دوسرے طریقوں سے رکاوٹیں کھڑی کرنا بھی ہو سکتا ہے کیوں کہ یہ فیصلہ اس دجالی سوچ کا فیصلہ ہے جس کا ادراک بھی بہت سے لوگوں کو نہیں۔

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

❑ خاص تحریر

علماء و مصلحین کے آزمائشی فتنے

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

سب سے بڑا صدمہ اس کا ہے کہ مصلحین کی جماعتوں میں جو فتنے آج کل رونما ہو رہے ہیں نہایت خطرناک ہیں تفصیل کا موقعہ نہیں لیکن فہرست کے درجہ میں چند باتوں کا ذکر نا گریز ہے:

مصلحت اندیشی کا فتنہ: یہ فتنہ آج کل خوب برگ و بار لا رہا ہے کوئی دینی یا علمی خدمت کی جائے اس میں پیش نظر دنیاوی مصالح رہتے ہیں اس فتنہ کی بنیاد نفاق ہے یہی وجہ ہے کہ بہت سی دینی و علمی خدمات برکت سے خالی ہیں۔

ھر دلعزیزی کا فتنہ: جو بات کہی جاتی ہے اس میں یہ خیال رہتا ہے کہ کوئی بھی ناراض نہ ہو سب خوش رہیں اس فتنہ کی اساس حبِّ جاہ ہے۔

اپنی رائے پر جمود و اصرار: اپنی بات کو صحیح وصواب اور قطعی و یقینی سمجھنا دوسروں کی بات کو درخور اعتناء اور لائق التفات نہ سمجھنا بس یہی یقین کرنا کہ میرا موقف سو فیصد حق اور درست ہے اور دوسروں کی رائے سو فیصد غلط اور باطل۔ یہ اعجاب بالرائے کا فتنہ ہے اور آج کل سیاسی جماعتیں اس مرض کا شکار ہیں۔ کوئی جماعت دوسرے کی بات سننا گوارا نہیں کرتی، نہ حق دیتی ہے کہ ممکن ہے کہ مخالف کی رائے کسی درجہ میں صحیح ہو یا یہ شاید وہ بھی یہی چاہتے ہوں جو ہم چاہتے ہیں صرف تعبیر اور عنوان کا فرق یا الأھم فالأھم کی تعیین کا اختلاف ہو۔

سوء ظن کا فتنہ: ہر شخص جماعت کا خیال یہ ہے کہ ہماری جماعت کا ہر فرد مخلص ہے اور ان کی نیت بخیر ہے اور باقی تمام جماعتیں جو ہماری جماعت سے اتفاق نہیں رکھتیں وہ سب خود غرض ہیں ان کی نیت صحیح نہیں بلکہ اغراض پر مبنی ہیں اس کا منشاء بھی عجب و کبر ہے۔

سوء فہم کا فتنہ: کوئی شخص کسی مخالف کی بات جب سن لیتا ہے تو فوراً اسے اپنا مخالف سمجھ کر اس سے نہ صرف نفرت کا اظہار کرتا ہے بلکہ مکروہ انداز میں اس کی تردید فرض سمجھی جاتی ہے۔ مخالف کی ایک ایسی بات میں جس کے کئی محمل اور مختلف توجیہات ہو سکتی ہیں وہی توجیہ اختیار کریں گے جس میں اس کی تحقیر و تذلیل ہو، کیا إن بعض الظن إثم (الحجرات) (یقیناً بعض گمان گناہ ہیں) اور إیاکم والظن فإن الظن اکذب الحدیث (بدگمانی سے بچا کرو کیوں کہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے اور بڑے بڑے جھوٹ اسی سے پیدا ہوتے ہیں) کی نصوص مرفوع العمل ہو چکی ہیں؟

بہتان طرازی کا فتنہ: مخالفین کی تذلیل و تحقیر کرنا بلا سند ان کی طرف گھناؤنی باتیں منسوب کرنا۔ اگر کسی مخالف کی بات ذرا بھی کسی نے نقل کر دی بلا تحقیق اس پر یقین کر لینا اور مزے لے لے کر محافل و مجالس کی زینت بنانا بالفرض اگر خود بہتان طرازی نہ بھی کریں دوسروں کی سنی سنائی باتوں کو بلا تحقیق صحیح سمجھنا کی ایہ نص قرآنی إن جاءکم فاسق بنباء فتبینوا الایۃ (اگر آئے تمہارے پاس کوئی گناہ گار خبر لے کر تو تحقیق کر لو) کے خلاف نہیں؟

جذبۂ انتقام کا فتنہ: کسی شخص کو کسی شخص سے عداوت و نفرت یا بدگمانی ہے لیکن خاموش رہتا ہے لیکن جب ذرا اقتدار مل جاتا ہے طاقت آجاتی ہے تو پھر خاموشی کا سوال ہی پیدا

نہیں ہوتا گویا یہ خاموشی معافی اور درگذر کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ بیچارگی وناتوانی اور کمزوری کی وجہ سے تھی جب طاقت آگئی تو انتقام لینا شروع کیا رحم وکرم اور عفوودرگذر سب ختم۔

حبِّ شہرت کا فتنہ: کوئی دینی یا علمی یا سیاسی کام کیا جائے آرزو یہی ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ داد ملے اور تحسین و آفریں کے نعرے بلند ہوں درحقیقت اخلاص کی کمی یا فقدان سے اور خودنمائی وریاکاری کی خواہش سے یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے صحیح کام کرنے والوں میں یہ مرض پیدا ہوگیا اور درحقیقت یہ شرکِ خفی ہے حق تعالیٰ کے دربار میں کسی دینی یا علمی خدمت کا وزن اخلاص سے ہی بڑھتا ہے اور یہی تمام اعمال میں قبول عند اللہ کا معیار ہے اخبارات جلسے جلوس دورے زیادہ تر اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

خطابت یا تقریر کا فتنہ: یہ فتنہ عام ہوتا جارہا ہے کہ لن ترانیاں انتہا درجہ میں ہوں عملی کام صفر کے درجہ میں ہوں، قوالی کا شوق دامن گیر ہے عمل وکردار سے زیادہ واسطہ نہیں۔ لم تقولون ما لا تفعلون کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون (کیوں کہتے ہو منہ سے جو نہیں کرتے بڑی بیزاری کی بات ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو۔) (ترجمہ شیخ الہند) خطیب اس انداز سے تقریر کرتا ہے گویا تمام جہان کا درد اس کے دل میں ہے لیکن جب عملی زندگی سے نسبت کی جائے تو درجہ صفر ہوتا ہے۔

پروپیگنڈہ کا فتنہ: جو جماعتیں وجود میں آئی ہیں خصوصا سیاسی جماعتیں ان میں غلط پروپیگنڈہ اور واقعات کے خلاف جوڑتوڑ کی وبا اتنی پھیل گئی ہے جس میں نہ دین ہے اور نہ اخلاق نہ عقل ہے نہ انصاف محض یورپ کی دین باختہ تہذیب کی نقالی ہے اخبارات، اشتہارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن تمام اس کے مظاہر ہیں۔

مجلس سازی کا فتنہ: چند اشخاص کسی بات پر متفق ہوگئے یا کسی جماعت سے اختلاف رائے ہوگیا فورا اخبار نکالا جاتا ہے بیانات چھپتے ہیں کہ اسلام اور ملک بس ہماری جماعت کے دم قدم سے باقی رہ سکتا ہے۔ نہایت دل کش عنوانات اور جاذبِ نظر الفاظ وکلمات سے قرار دادیں اور تجویزیں چھپنے لگتی ہیں امت میں تفرق وانتشار اور گروہ بندی کی آفت اسی راستے سے آئی ہے۔

عصبیت جاھلیت کا فتنہ: اپنی پارٹی کی ہر بات خواہ وہ کیسی ہی غلط ہو اس کی حمایت وتائید کی جاتی ہے اور مخالف کی ہر بات پر تنقید کرنا سب سے اہم فرض سمجھا جاتا ہے مدعیٔ اسلام جماعتوں کے اخبار ورسائل، تصویریں، کارٹون، سنیما کے اشتہار سود اور قمار کے اشتہار اور گندے مضامین شائع کرتے ہیں مگر چونکہ اپنی جماعت کے حامی ہیں اس لئے باہلی تعصب کی بنا پر ان سب کو بنظر استحسان دیکھا جاتا ہے الغرض جو اپنا حامی ہو وہ تمام بدکرداریوں کے باوجود پکا مسلمان ہے اور جو اپنا مخالف ہو اس کے نماز روزہ کا بھی مذاق اڑایا جاتا ہے۔

حبِّ مال کا فتنہ: حدیث میں تو آیا ہے کہ حب الدنیا رأس کل خطیئۃ دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے حقیقت میں تمام فتنوں کا قدر مشترک حِ جاہ یا حب مال ہے بہت سے حضرات ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ کو دنیا کی جستجو او رمحبت کے لئے دلیل بناتے ہیں حالانکہ بات واضح ہے کہ ایک ہے دنیا سے تعلق اور ضروریات کا حصول۔ اس سے انکار نہیں نیز ایک ہے طبعی محبت جو مال اور آسائش سے ہوتی ہے اس سے بھی انکار نہیں مقصد تو یہ ہے کہ حب دنیا یا حب مال کا اتنا غلبہ نہ ہو کہ شریعت محمدیہ اور دین اسلام کے تمام تقاضے ختم یا مغلوب ہوجائیں اقتصاد و اعتدال کی ضرورت ہے عوام سے کیا شکایت کی جائے آج کل یہ فتنہ عوام سے گذر کر خواص کے قلوب میں بھی آرہا ہے الا ماشاء اللہ! اس فتنے کی تفصیلات کے لئے ایک طویل مقالے کی ضرورت ہے حق تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆

❑ پیام سیرت

محبت واستقامت کا ایک بے نظیر کردار

محمد فرید حبیب ندوی
Mob. 9012621589

''سنا ہے تم پر تمہارے آقا نے جفا کی ہے.....ہم تمہارے استقبال کو تیار ہیں''۔

عرب کی چلچلاتی دھوپ تھی.....دوپہر کا وقت.....اور مدینہ کی ایک سنسان گلی..... ایک'' بندۂ خدا''یونہی بوجھل قدموں کے سہارے چلا جارہا تھا.....۔

صاف محسوس ہوتا تھا کہ اس کے قدم چلنے کو تیار نہیں.....مگر وہ انہیں گھسیٹے جارہا تھا۔

ابھی وہ نکڑ پہ ہی پہنچا تھا کہ پیچھے سے ایک سایہ تیزی سے اس کی طرف لپکا۔

وہ تصورات کی وادیوں میں دور نکل گیا تھا.....بہت دور۔

اور اس سے پہلے کہ وہ تصور کے پنجوں سے آزاد ہوتا.....ایک لفافہ اس کے ہاتھ میں تھا۔

خط کا یہ جملہ پڑھ کر ہی اس کے بدن پر رعشہ طاری ہوگیا۔

چہرہ غمگین تو تھا ہی.....اب غم اور بھی گہرا ہوگیا۔

ہفتوں سے اس کی یہی حالت تھی۔

اس کا اپنا وطن.....اس کے دل کا داغ بن گیا تھا۔

اپنے سب..... پرائے ہوگئے تھے۔

اپنا سایہ بھی اسے.....خود سے بے گانہ معلوم ہوتا تھا۔

زمین اپنی وسعتوں کے باوجود اس پر تنگ ہوگئی تھی۔

خود اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔

اپنی سانسوں سے بھی گھٹن ہونے لگی تھی۔

آسمان سر پر گرتا ہوا محسوس ہوتا۔

سیکڑوں کی بھیڑ میں.....تنہائی کا احساس کھانے دوڑتا۔

ایک چچازاد بھائی تھا.....دل وجان سے زیادہ اسے عزیز..... مگر وہ بھی آنکھ ملانے کو تیار نہ تھا۔

غموں کے پہاڑ.....مصیبتوں کے انبار.....لوگوں کی پھبتیاں .....زندگی بے نور ہوچکی تھی۔

ایسا نہ تھا کہ وہ اس حالت سے باہر نہ آسکتا تھا.....مگر ایسا تھا کہ وہ یہ سب جس کے لئے کررہا تھا.....جس کی نظر محبت اس سے روٹھ گئی تھی.....اس کی جدائی وہ برداشت نہ کرسکتا تھا.....۔

وہ اس کے لئے سب کچھ تھا.....خود اپنی جان سے بھی بڑھ کر.....اور وہی اس سے خفا ہوگیا تھا۔

غلطی خود اسی کی تھی.....اور اسے اس کا احساس بھی تھا.....پھر وہ اکیلا ہی مجرم نہ تھا.....اور بھی تھے.....اور اچھے خاصے لوگ تھے.....مگر سب نے جھوٹے عذر پیش کردئے تھے.....صرف وہ تھا اور اس کے دو ساتھی.....جو جھوٹ کی اس آندھی میں بھی سچ کا چراغ جلا گئے تھے۔

محبوب کا دیدار تو روز ہوتا تھا.....مگر.....دل کی باتیں زبان پر لانے کی پابندی تھی۔

فراق کے پردوں میں لپٹا ہوا عجیب سا وصال تھا یہ۔

جس میں محبت کی آمیزش تھی.....الفت کی چاشنی.....اور..... فدائیت ومحبوبیت کی دل نوازی۔

ایک دوسرے پر نظر پڑتی تو.....جذبات میں بھونچال سا آجاتا۔

مگر دونوں خدا کے بندے تھے.....اور خدا کی طرف سے ابھی اس کی اجازت نہ تھی۔

اب یہ خط جو اس نے دیکھا.....سر سے پاؤں تک کانپ کر رہ گیا۔

آنسوؤں کے لئے پلکوں میں جنبش ہوئی .....مگر..... باران

اشک تو کب کی ہو چکی تھی.....آنکھیں دل کے جذبات کا ساتھ نہ دے سکیں۔

دل بیٹھ گیا.....اور.....پھر قدم بھی اس کا بوجھ نہ سنبھال سکے.....لاشئہ بے جان بن کر زمین پر آ گرا۔

یہ جملہ اس کے لئے صاعقۂ آسمانی سے کم نہ تھا۔

اس کا تصور بھی اس کے لئے روح فرسا تھا۔

یہ خط اسے خریدنے کا پیام لایا تھا.....دنیا کے ایک ''بڑے'' نے اس کی بولی لگائی تھی۔

بدلہ میں کیا تھا؟.....وہ سب کچھ، جو دنیاداروں کی تمنا ہوتی ہے۔

اسے قیمت کیا چکانی تھی؟.....

اپنے اس محبوب کی جدائی جو اسے دل و جان سے زیادہ پیارا تھا .....اس ''یار'' کا فراق، جس کا دیدار ہی ہزار نعمت تھا.....اور پھر اس کے نتیجہ میں ہمیشہ کی محرومی و ناکامی۔

اس کی محبت دو چند سے ہزار چند ہو گئی۔

فزوں سے فزوں تر ہوتی گئی.....اور اسی ایک لمحہ میں وہ محبت کی انتہا کو پہنچ گیا۔

آنکھوں کا بچا کھچا پانی.....چند قطروں کے سہارے رخسار پہ بہنے لگا۔

ایک ہی سہارا تھا.....اور وہ اسی سے دل کی بات کہنے مسجد کی طرف روانہ ہو گیا۔

اپنا جگر اس کے سامنے نکال کر رکھ دیا.....زبان خاموش رہی ،مگر دل سب کچھ کہتا رہا۔

دل کیا تھا؟.....جذبات کا ایک سمندر.....جس میں ایک اضطراب تھا.....موجیں تھیں.....بل کھاتی لہریں تھیں.....مگر ساحل نہ تھا۔

شاید اوپر مغفرت کا پروانہ بھی دے دیا گیا.....مگر ابھی سونے کو کندن بنانے کے لئے اور تپانا تھا۔

بڑوں کی آزمائشیں بھی سخت ہوتی ہیں۔

دن گذرتے گئے.....اور.....ایک دن رفیقۂ حیات سے بھی الگ رہنے کا حکم ہو گیا۔

اسی طرح پورے پچاس دن.....دس.....بیس.....نہیں.....پورے .....پچاس دن گذرنے کے بعد.....آخر کار پروانۂ بخشش مل ہی گیا۔

اور جسے محبوب کی نظر کرم کا انتظار تھا.....وہ اس کا منظور نظر بن گیا۔

سوکھے کے بعد بارش تو ہونی تھی.....آزمائش کے دن اس کے لئے بھی باران رحمت لے کر آئے۔

آپ نے وصال یار کی کہانیاں تو بہت پڑھی اور سنی ہوں گی۔

محبت کے جاں نثاروں کی ملاقات کے اثر انگیز مناظر بھی دیکھے ہوں گے۔

مگر یہ قصہ ہے فراق یار کا.....جو لذت وصال سے بھی بڑھ کر ہے۔

یہ قصہ ہے حضرت کعب بن مالکؓ کا.....جو غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے کی سزا میں بائیکاٹ کے دن کاٹ رہے تھے۔

اور اس مدت میں ہر طرح سے انہیں کریدا گیا.....آزمایا گیا .....جملے کسے گئے.....خریدنے کی کوششیں ہوئیں.....مگر وہ چٹان کی طرح جمے رہے۔

دشمن مونس و غمخوار.....اور.....ہمدرد و خیر خواہ بن کر سامنے آیا.....مگر.....وہ فولاد ثابت ہوئے.....اور ہر شکاری کے جال میں پھنسنے سے محفوظ رہے۔

آج لوگ پکتے ہیں.....خوب پکتے ہیں.....اور ہر روز پکتے ہیں .....لاکھوں میں بھی.....اور.....چند ٹکوں میں بھی۔

وہ ایمان.....قلم.....صلاحیت.....ضمیر.....ہر چیز کا سودا کر لیتے ہیں۔

''قلموں کی اس منڈی'' اور ''صلاحیتوں کے اس بازار'' میں آج بھی ضرورت ہے اس کردار کی.....جو آپ نے اوپر پڑھا۔

اور یہ کوئی دیو مالائی کہانی کا کردار نہیں.....اس زمین کے سب سے سچے انسان کے ایک سچے ساتھی کا حقیقی کردار ہے۔

اس واقعہ میں ایسے بکنے والوں کے لئے سبق ہے.....نمونہ عمل .....اور.....اسوۂ زندگی ہے۔

اور یہ بھی پیغام ہے کہ.....سچ.....ہمیشہ خوشی کے ہی پھول کھلاتا ہے.....گرچہ کچھ وقت لگے.....اور کچھ کڑوے گھونٹ پینا پڑیں۔

سلام اے کعب! تیری عظمت و ہمت کو.....تیرے صبر و تحمل کو .....سلام.....صد ہزار سلام۔

☆☆☆

❑ خصائص وامتیازات

آں حضرت ﷺ کی خصوصیات تمام رسولوں میں

محمد قمر الزماں ندوی
جنرل سکریٹری: مولانا علاء الدین ایجوکیشنل سوسائٹی، جھارکھنڈ

تمہید: تمام انسانوں پر اللہ تعالیٰ کے احسانات بہت بڑے اور عظیم ہیں اور اللہ کی بڑی نعمتوں میں یہ شامل ہے کہ انبیاء اور رسل خالق ومخلوق کے درمیان اوامر ونواہی بیان کرنے کے لئے واسطہ اور ذریعہ ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے ''اور ہم نے یقیناً ہر قوم میں (یہ دعوت دے کر رسول بھیجے کہ صرف اللہ کی عبادت کریں، اور طاغوت سے بچیں۔'' (النمل ۳۶) یہ حقیقت ہے کہ دنیاوی اور اخروی سعادت اور فلاح رسولوں ہی کے ذریعے ممکن ہے، اچھے اور برے، صحیح اور غلط میں تفصیلی فرق انہیں سے ملتا ہے، حصولِ رضاءِ الٰہی صرف ان ہی کے راستے سے ممکن ہے، چنانچہ شیخ الإسلام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں ''بندوں کے لئے پیغام رسالت انتہائی ضرری ہے، اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں، لوگوں کو پیغام رسالت کی، ہر چیز سے بڑھ کر ضرورت ہے، کیوں کہ پیغام رسالت کائنات کے لئے روشنی، اور آبِ حیات ہے، اس لئے اس دم تک کائنات رہے گی جب تک رسولوں کے آثار باقی رہیں گے، چنانچہ جس وقت رسولوں کے اثرات دنیا سے مکمل طور پر مٹ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ علوی اور سفلی پوری کائنات کو تباہ کر کے قیامت برپا کر دے گا۔''

آنحضرت ﷺ سارے نبیوں اور رسولوں کے امام ہیں اور آپؐ سب سے افضل اور اعلیٰ مقام کے حامل ہیں اور خاتم النبیین ہیں، آپؐ کے بعد رسالت ونبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا، اس امت کو ترقی وشان وشوکت آپؐ کی وجہ سے حاصل ہوگی، ابن کثیرؒ لکھتے ہیں ''نیکوں میں سب سے آگے نکلنے کا شرف اس امت کو اپنے نبی ﷺ کی وجہ سے ہی حاصل ہوا ہے''۔

اس امت کو نبی ﷺ کے ذریعے شرف بخشا گیا، اللہ تعالیٰ آپ کو ساری مخلوقات سے چنا اور آپ کو اولادِ آدم کا سربراہ بنایا، اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوقات پر فضیلت دی، اور آپؐ نے سب سے افضل بن کر بھی دکھایا، آپؐ کا فرمان ہے: ''بیشک اللہ تعالیٰ نے آل اسماعیل سے کنانہ کو چنا، پھر کنانہ سے قریش کو، اور قریش سے بنی ہاشم کو چنا، آخر میں مجھے بنی ہاشم سے چنا۔''

اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرف بخشتے ہوئے آپؐ کی عمر کی قسم کھائی، اللہ تعالیٰ نے آپؐ کا ذکر دیگر انبیاء کی طرح قرآنِ مجید میں صرف نام لے کر نہیں کیا، بلکہ جب بھی ذکر کیا تو نبوت ورسالت کے ساتھ متصف کر کے نام لیا، اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی شرح صدر فرمائی اور آپؐ کی شان بلند فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء سے نبی ﷺ پر ایمان لانے کا پختہ وعدہ لیا اور فرمایا: اور جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے یہ عہد لیا کہ اگر میں تمہیں کتاب وحکمت عطا کروں پھر کوئی ایسا رسول آئے جو اس کتاب کی تصدیق کرتا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تمہیں اس پر ایمان لانا ہوگا، اور اس کی مدد کرنا ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے (یہ حکم دے کر نبیوں سے) پوچھا کیا تم اس بات کا اقرار کرتے ہو؟ اور میرے اس عہد کی ذمہ داری قبول کرتے ہو؟ نبیوں نے جواب دیا: ہم اس کا اقرار کرتے ہیں۔'' (آل عمران:۸۱)۔

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: آپؐ ہی امام اعظم ہیں کہ اگر کسی

بھی زمانے میں آپؐ موجود ہوں گے تو آپؐ کی اطاعت دیگر تمام انبیاء کے مقابلے میں واجب ہوگی، یہی وجہ تھی کہ آپؐ نے بیت المقدس میں لیلۃ المعراج میں انبیاء کی امامت فرمائی۔''

ختم نبوت آپؐ کی اہم خصوصیت: اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ذریعے نبوت ورسالت کا اختتام فرمایا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''محمدؐ تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں ہیں، لیکن آپؐ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ (الأحزاب ۴۰)۔

اسی طرح یہ آیت بھی ختم نبوت پر دلالت کرتی ہے: الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی الخ (سورہ مائدہ:۶) میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کردی۔ قرآن کی مندرجہ ذیل آیت بھی ختم نبوت کے مسئلہ پر روشنی ڈالتی ہے۔ وما ارسلناك إلا كافة للناس بشيرا ونذيرا ولكن اكثر الناس لا يعلمون: اے نبی ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لئے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

ختم نبوت کی بہترین تمثیل: خود آنحضرت ﷺ ختم رسالت اور اپنے آپ کے خاتم النبیین ہونے کو ایک بہترین مثال سے سمجھایا۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری مثال اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اور خوب حسین وجمیل بنائی مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی، لوگ اس عمارت کے اردگرد پھرتے اور اس کی خوبی پر اظہار حیرت کرتے، مگر کہتے تھے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہ رکھی گئی؟ تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔''

اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے یہ مثال اس لئے بیان کی تا کہ لوگ ختم نبوت کے مسئلہ کو آسانی سے سمجھ سکیں، اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ حضور ﷺ آخری رسول ہیں اور یہ بات آپؐ کے لئے باعث شرف وفضیلت ہے۔ (بخاری کتاب المناقب باب خاتم النبیین حدیث ۳۵۳۵)۔

اوپر ذکر کردہ آیات قرآنی اور مذکورہ حدیث سے یہ بات بالکل واضح اور واشگاف ہوگئی کہ آنحضرت ﷺ پوری انسانیت کے راہ نما بنا کر بھیجے گئے ہیں، رسالت ونبوت کا سلسلہ آپؐ پر تمام ہوگیا، آپؐ کے ذریعہ اس دنیا میں اللہ کا آخری دین مکمل شکل میں آچکا ہے، محمد ﷺ کی نبوت زمان ومکان کی قیدوں سے ماوراء ہے، آپؐ عالم گیر پیغمبر کی حیثیت سے بھیجے گئے ہیں، اب کسی نئی شریعت یا جدید راہ نما کو بحیثیت رسول اور نبی نہیں بھیجا جائے گا۔

عقیدۂ ختم نبوت کا ثبوت احادیث سے

آنحضرت ﷺ نے مختلف مواقع پر اپنی اس حیثیت کا صحابہؓ کے سامنے اعلان کیا۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بنی اسرائیل کی قیادت انبیاء کیا کرتے تھے۔ جب کوئی نبی گزر جاتے تو دوسرے نبی ان کے جانشین ہوتے۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، بلکہ خلفاء ہوں گے، (بخاری شریف کتاب المناقب)۔

دوسرے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ میرے بعد اب نہ کوئی رسول ہے اور نہ نبی'' (ترمذی:۵۲/۲) حضور ﷺ کا ارشاد ہے ''اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھیجا ہے اس نے خروج دجال سے ڈرایا ہے مگر وہ ان کے زمانہ میں نہ آیا، میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔ (ابن ماجہ کتاب الفتن)۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی خصوصیتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ میرے ذریعہ سے کفر مٹ جائے گا۔ میں حاشر ہوں کہ میرے بعد لوگ حشر میں جمع کئے جائیں گے اور میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔ (ترمذی ابواب المناقب)۔ نبی اکرم ﷺ نے ختم نبوت کے مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ''تم سے پہلے جو بنی اسرائیل گزرے ہیں ان میں سے ایسے لوگ ہوئے ہیں جن سے کلام کیا جاتا تھا، حالانکہ وہ نبی نہیں تھے، میری امت میں اگر کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے (بخاری کتاب المناقب)۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا ''مجھے کچھ چیزیں من جانب اللہ ایسی عنایت کی گئیں کہ مجھ سے پہلے کسی نبی اور رسول کو عطا نہیں کی گئیں، میری بعثت

تمام دنیا کی طرف ہوئی، مجھ سے پہلے انبیاء صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے اور میں تمام دنیا کے لئے مبعوث ہوا ہوں، میں خاتم النبیین ہوں، میری ذات پر سلسلہ انبیاء ختم ہوا، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ مجھ کو جوامع الکلم عطا کئے گئے ہیں، مجھے رعب اور ہیبت کے ذریعہ فتح ونصرت عطا کی گئی ہے، تمام روئے زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور مطہر بنادی گئی ہے، مال غنیمت میرے لئے حلال کر دیا گیا ہے اور مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کے لئے حلال نہ تھا، میرے پیرو تمام انبیاء ومرسلین کے پیروؤں سے زیادہ ہوں گے، مجھے شفاعت کبریٰ کا مرتبہ عطا کیا گیا ہے۔ (بخاری شریف)۔

مذکورہ روایات پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا اور دوسرے نبی کی آمد کا کوئی امکان باقی نہیں رہا۔

ختم نبوت سے متعلق چند اہم باتیں:

سابق مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ نے تقریبا سوآیتوں اور دوسو سے زیادہ احادیث سے ختم نبوت کو ثابت کیا ہے۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں: ''ہمارے رسول کے بعد کسی قسم کی نبوت باقی نہیں اور کسی قسم کا نبی تشریعی یا غیر تشریعی طور پر آپ کے بعد پیدا نہیں ہوسکا۔ بلکہ ہر مدعی نبوت کذاب ودجال ہے۔۔۔ علماء ربانیین کے تمام طبقات محدثین، مفسرین، فقہاء متکلمین، صوفیاء کی بے شمار تصانیف ہمارے اس دعویٰ کی ناقابل انکار شہادتوں سے لبریز ہیں، جن کو ہم نقل کرنے کا ارادہ کریں تو ہمیں یقین ہے کہ ہم لکھتے لکھتے تھک جائیں گے اور ان ائمہ سلف اور علماء کے اقوال ختم نہ ہوں گے۔ (ختم نبوت صفحہ ۲۹۷)۔

مولانا ابوالأعلی مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے ہر دور کے اکابر علماء، فقہاء، محدثین اور مفسرین کی تصریحات نقل کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ پہلی صدی سے تیرہویں صدی تک تاریخ اسلام کی ہر صدی کے علماء ختم نبوت کے عقیدہ پر متفق رہے ہیں۔ (سرور عالم صفحہ ۲۰۸)

حافظ ابن کثیر سورۂ احزاب آیت ۴۰ کے تحت لکھتے ہیں: ''پس یہ آیت اس باب میں نص صریح ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، اور جب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تو رسول بدرجہ اولیٰ نہیں ہوگا، کیوں کہ رسالت کا منصب خاص ہے اور نبوت کا منصب عام، ہر رسول نبی ہوتا ہے مگر نبی رسول نہیں ہوتا۔۔۔ حضورؐ کے بعد جو شخص بھی اس مقام کا دعوی کرے وہ جھوٹا، مفتری، دجال، گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے، ہر اس شخص کا یہی حکم ہوگا جو اس منصب کا مدعی ہو۔'' (ابن کثیر: ۴۷۵/۳)۔

ختمِ نبوت کا عقیدہ دیگر مذاہب میں:

دوسرے مذاہب میں بھی یہ تصور اپنی مخصوص شکل میں پایا جاتا ہے، ہندوؤں کے نزدیک ''کل یگ'' کا تصور اسی مفہوم میں ہے یعنی وہ لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اب کوئی اوتار یا رشی ان کی ہدایت کے لئے پیدا نہ ہوگا، پارسی مذہب، یہودیت، عیسائیت اور دنیا کے تمام مشہور مذاہب میں یہ عقیدہ کم وبیش پایا جاتا ہے۔ ان مذاہب کے اس تصور سے یہ بات ضرور سمجھ میں آتی ہے کہ اسلام میں ختمِ نبوت کا عقیدہ کوئی انوکھا واقعہ نہیں ہے۔

بعض کج فہموں کا اعتراض اور اس کا جواب: بعض کم فہم اور ناداں لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر آپ آخری نبی ہیں تو یہ آپ کی منقبت اور تعریف وتحسین نہیں بلکہ نقص اور کمی ہے، کیوں کہ اس صورت میں آپ کی ذات اس رحمت کے لئے سد باب ثابت ہوگی جو نبوت ورسالت کے نام سے جاری تھی۔ دراصل اس نادانی اور کج فہمی کے پیچھے ایک غیر اسلامی فکر کارفرما ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ عام مسلمانوں کو عقیدہ کی گمراہی میں مبتلا کر دیا جائے۔

نبی کی بعثت چار حالتوں میں ہوتی ہے: اول یہ کہ اس قوم میں پہلے کبھی کوئی نبی نہ آیا تھا اور کسی دوسری قوم میں آئے ہوئے نبی کا پیغام بھی اس تک نہ پہونچ سکا تھا۔ دوم یہ کہ پہلے گزرے ہوئے نبی کی تعلیم بھلادی گئی ہو یا اس میں تحریف ہوگئی ہو اور اس کے نقشِ قدم کی پیروی کرنا ممکن نہ رہا ہو۔۔ سوم یہ کہ پہلے گزرے ہوئے نبی کے ذریعہ مکمل تعلیم وہدایت لوگوں کو نہ ملی ہو اور تکمیل دین کے لئے مزید انبیاء کی ضرورت ہو۔ چہارم یہ کہ ایک نبی کے ساتھ اس کی مدد کے لیے ایک اور نبی کی حاجت ہو۔

علامہ ابن قیمؒ اس مضمون پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے بے نیاز کر دیا ہے، وہ نہ کسی نبی کے محتاج ہیں اور نہ ان کو کسی جدید شریعت کی ضرورت ہے، وہ تمام فضائل آپ ﷺ میں جمع کر دیے گئے ہیں جو دوسرے انبیاء میں متفرق تھے۔(رسالۃ الفرقان ۵۶)۔

علامہ ابن قیم کی اس وضاحت اور ما قبل کی تحریروں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اب نئے نبی کی کوئی حاجت نہیں رہی۔ اب اصلاح کے لئے صرف مصلحین کی ضرورت ہے، اور ختمِ نبوت امت مسلمہ کے لئے ایک بڑی رحمت ہے، اسی عقیدہ کی بنیاد پر مسلمان ایک عالم گیر برادری اور اجتماعی زندگی کا تصور رکھتے ہیں۔ گویا کہ عقیدۂ ختم نبوت سے تفریق کی بنیاد منہدم ہوگئی اور امت مسلمہ ایک وحدت سے مربوط ہوگئی۔

حضورؐ کا إحساس کہ ختمِ نبوت بہت نازک مسئلہ ہے: خود آنحضرت ﷺ کو اس بات کا احساس تھا کہ ختمِ نبوت بہت نازک مسئلہ ہے اور اگر امت معمولی طور پر بھی اس مسئلہ میں کوتاہی کا شکار ہوئی تو ان کا مذہبی وجود برقرار نہیں رہے گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف موقعوں پر نئی نبوت کے تصور کو ایک فتنہ اور منکرین ختمِ نبوت کو حلقۂ اسلام سے خارج قرار دیا، اس طرح جن لوگوں نے خدا کے دین میں نقب لگانے کی کوششیں کی اور امت مسلمہ کے شیرازہ کو بکھیرنا چاہا، اس سے روک دیا۔ آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر صحابہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اور میری امت میں تیس کذاب ہوں گے جن میں سے ہر ایک نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔(ابوداؤد کتاب الفتن)۔

صحابۂ کرام ختمِ نبوت کو حضورؐ کی اہم ترین خصوصیت سمجھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ مسیلمہ کذاب جو حضور کی نبوت کا منکر نہیں تھا بلکہ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ حضور ﷺ کی نبوت میں شریک ہے، صحابہ کرام نے اس کے خلاف جنگ کی اور اس فتنہ کو ختم کرنا اپنا اولین فریضہ سمجھا۔ (سیرت ابن ہشام)۔

ہندوستان کی بد قسمتی: ہندوستان کی بدقسمتی رہی کہ اس سرزمین پر ایک خطرناک تحریک شروع ہوئی جس کا مقصد ہندوستانیوں کو انگریزوں کا غلام بنانا تھا، چنانچہ ایک فتنہ مرزا غلام احمد قادیانی کی شکل میں اٹھا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا برصغیر اس کی لپیٹ میں آگیا۔ اس اسلام دشمن تحریک کی زد میں اکثر کم پڑھے لکھے مسلمان آگئے، یہ حقیقت ہے کہ یہ فتنہ یہودی اور عیسائی سازش کا ایک حصہ تھا، چنانچہ انتہائی منصوبہ بند انداز میں یہ تحریک پھیلتی رہی، مغربی ذرائع ابلاغ نے اس تحریک کا زبردست پرچار کیا اور پورے برصغیر میں اس تحریک کو پھیلنے اور متعارف کرانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگادیا، اسلام دشمن طاقتوں نے مادی اور مالی امداد کے ذریعہ اس تحریک میں شامل ہونے والوں کی خوب حوصلہ افزائی کی، نتیجہ یہ ہوا کہ اس تحریک کے کارکنوں میں غیر معمولی جوش پیدا ہوا اور وہ لوگ اس کی اشاعت وتبلیغ میں سرگرم عمل ہوگئے۔

''قادیانیت'' اور قادیانی کے نام سے یہ گروہ دنیا کے اکثر علاقوں میں پایا جاتا ہے، ماضی میں علماء اسلام نے اس تحریک کو کافی کمزور کر دیا تھا لیکن اب یہ طوفان پھر زور پکڑ رہا ہے ہندوستان، پاکستان اور ایشیاء کے دیہاتوں اور دینی شعور سے محروم سماجوں اور طبقوں میں یہ فتنہ جنگل کی آگ کی طرح پھیل رہا ہے۔

تاریخ کا سب سے بڑا فتنہ: قادیانیت کی تحریک اسلام اور مسلمانوں کے وجود کو مٹانے کے لئے برپا ہوئی اور آج بھی یہ اسلام کے شجرۂ طیبہ کو مٹانے کے درپے ہے۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ایک جگہ لکھا ہے۔ ''ظہور اسلام سے لے کر اس وقت تک کوئی فتنہ اسلام کی تاریخ میں اتنا نازک اور ابتلا کا نہیں تھا جتنا قادیانیت ۔۔۔ معاملہ یہ ہے کہ وہ ایک متوازی امت اور ایک مستقل دین کا داعی ہے، یہاں پورا دینی نظام ترتیب دیا گیا ہے۔ شعائر کے مقابلہ میں مرکز، قبلہ کے مقابلہ میں قبلہ، محبت کی جگہ پر محبت، عظمت کی جگہ پر عظمت، ایک طریق فکر واستدلال، کتابوں کی جگہ پر کتابیں، ہر چیز کا انہوں نے بدل مہیا کیا ہے، اور ہر چیز کی انہوں نے متبادل دیا ہے، یہاں تک کہ اسلامی تقویم کے قمری وہجری مہینوں کے مقابلہ میں

انہوں نے مہینوں کے نئے نام رکھے ہیں۔(النبی الخاتم)۔

جواہر لال نہرو نے اپنے ایک مضمون میں یہ سوال اٹھایا تھا کہ آخر مسلمانوں میں قادیانیت کے خلاف اتنا جوش کیوں پایا جاتا ہے کیوں کہ یہ تو مسلمانوں کا ایک فرقہ ہے اور دین اسلام میں اصلاحات لانے کی کوشش؟ اس موقع پر علامہ اقبالؒ نے نہرو کے جواب میں ایک مقالہ شائع کیا جس میں یہ بات کہی گئی کہ ''اسلام بحیثیت دین و مذہب اپنے عقائد اور اپنی شریعت پر قائم ہے، لیکن بحیثیت ایک معاشرہ و جماعت یہ امت ختم نبوت کے عقیدہ پر قائم ہے۔ اسلام کے قیام کے لئے اس کی شریعت کافی ہے، لیکن جہاں تک امت کا تعلق ہے اس امت کی شیرازہ بندی، اس امت کا باہمی ربط، اس امت کا دوام، اس امت کا تسلسل ختم نبوت کے عقیدہ سے وابستہ ہے''۔(النبی الخاتم بحوالہ امثال الحدیث صفحہ ۴۳)۔

اب یہ بات کسی بھی صاحب عقل وفہم سے مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی مسلمان نہیں تھا، وہ انگریزوں کا ایجنٹ اور دلال اور ایک باطل اور بے بنیاد عقیدہ اور دین کا بانی تھا، اس کی تمام تصانیف اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ ہیں تاکہ امت میں باطل عقائد پھیلتے رہیں۔

قادیانی کیوں کافر ہیں؟: مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سوال کے جواب میں جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا ایک فتویٰ نقل کر دیا جائے جو اس سوال کے جواب میں انتہائی جامع حقیقت پسندانہ اور تشفی بخش وچشم کشا تحریر اور فتویٰ ہے۔ مولانا محترم تحریر فرماتے ہیں:

''قادیانی حضرات مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں، حالانکہ قرآن مجید نے بالکل صریح الفاظ میں جناب محمد ﷺ کے آخری نبی ہونے کا اعلان فرما دیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں'' (الأحزاب ۴۰) حدیثیں اس سلسلے میں بکثرت وارد ہیں، چنانچہ امت محمدیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کسی کا دعوی نبوت کرنا جھوٹ ہے، امام طحاوی العقیدہ الطحاویہ میں لکھتے ہیں: من ادعی بعدہ النبوۃ فھو کاذب ہمارے نبی ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ بالاجماع کفر ہے، خود مرزا غلام احمد قادیانی صاحب نے جب تک نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا، اس حقیقت کا اعتراف واعلان کرتے تھے کہ سلسلۂ نبوت ختم ہو چکا ہے اور آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا کفر ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: مجھے کب جائز ہے کہ نبوت کا دعویٰ کر کے اسلام سے خارج ہو جاؤں اور کافروں کی جماعت سے جاملوں (حمایۃ البشری: ص:۹۶)۔

پس گویا اس بات پر مرزا صاحب کا بھی اتفاق ہے کہ محمدؐ کے بعد دعویٔ نبوت کفر ہے، لیکن افسوس بعد کو چل کر خود مرزا صاحب نبوت کا دعویٰ کر بیٹھے، جس کو وہ قرآن وحدیث کی روشنی میں بجا طور پر باعث پر ایمان لانے والے اور ان کی تصدیق کرنے کو کفر قرار دیتے ہیں، اور تمام امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے، خود مرزا صاحب نے بھی اپنے اوپر ایمان نہ لانے والوں یعنی تمام مسلمانوں کو ایسا کافر قرار دیا ہے جس کے دل پر مہر لگ چکی ہے، کہتے ہیں: ''مگر بدکار رنڈیوں کی اولاد، جن کے دلوں پر خدا نے مہر کر دی ہے، وہ مجھے قبول نہیں کرتے'' (قادیانی مذہب: ۵، بحوالہ آئینہ کمالات صفحہ ۵۴۰)۔

مرزا صاحب پر ایمان رکھنے والے بھی تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں، چنانچہ میاں بشر الدین محمود احمد خلیفۂ دوم قادیانی کہتے ہیں: ''کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوتے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا کافر ہیں، اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں''۔

اس لئے مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے متبعین کا دائرہ اسلام سے خارج ہونا ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے، مسلمانوں کو اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ رہنا چاہیے، اور قادیانی حضرات (جو بہر حال انسانی نقطۂ نظر سے ان کے بھائی ہیں) کو راہ حق اور ایمان کی طرف دعوت دینا چاہیے، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ مسیلمہ کذاب کے متبعین کی طرح ان کو ہدایت سے سرفراز فرمادے۔ وما ذالك على الله بعزيز وبه التوفيق (کتاب الفتاوی جلد اول صفحہ ۳۷۶)۔

☆☆☆

(جاری.....)

❑ فکر اسلامی

(قسط-۹)

مفکر اسلام- ایک مطالعہ

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

احتساب اور محاسبہ ہمارا امتیاز: اس میں کیا شک کہ احتساب سے ہی قومیں زندہ رہا کرتی ہیں، ان کا ضمیر بیدار رہتا ہے اور اپنا کام کرتا رہتا ہے، اور اگر محاسبہ نہ ہو تو پھر من مانیوں کا راج ہوتا ہے، اور رفتہ رفتہ بے ضمیری عام ہوتی ہے، آج حکومتوں کے سربراہوں کو کچھ کہنے اور ان سے کچھ پوچھنے کی بات درکنار! ادنی سے اداروں اور جماعت کے سربراہان کا حال یہ ہے کہ ان کے محاسبہ پر یا کسی خطا کی نشاندہی پر نہ صرف وہ بلکہ بے شمار لوگ چراغ پا ہو جایا کرتے ہیں، حتی کہ کسی معاملہ میں واضح طور پر استفسار کی گستاخی تصور کی جاتی ہے، کیا ضروری ہے کہ جو بھی صاحب منصب ہو، وہ صائب ہی ہو اور اس کا فیصلہ درست ہی ہو، ذخیرۂ احادیث و سیر صحابہؓ میں واضح اشارات وواقعات موجود ہیں کہ ایک عام صحابی خلیفۂ وقت سے استفسار کر لیا کرتے تھے، اور برسر منبر ٹوک دیا کرتے تھے بلکہ حضور اکرم ﷺ سے صحابہ کرام کسی بھی واقعہ کے ظہور کے متصلا بعد وضاحت کی درخواست کرتے تھے، اور آپ ﷺ سوال کی مناسبت سے جواب مرحمت فرمادیا کرتے تھے۔

مصر کا المیہ اور اس میں بعض عرب ممالک بالخصوص سعودی عرب کے کردار پر جب بعض حلقوں نے آواز اٹھائی تو ان آوازوں کو دیوانے کی بڑ اور شدت پسندی سے تعبیر کیا گیا، تائید حق کی جگہ حق بات کہنے والوں کو خاموش رہنے کی تلقین کی گئی اور مصلحتِ بے جا کو درست وصائب موقف سمجھا گیا، اس میں کیا شک کہ حرمین پر اہل تشیع کے غلبہ کا خطرہ ہے لیکن کیا اس خطرہ کا حل بھی امریکہ پیش کرے گا؟ اور کیا اس خطرہ کو آڑ بنا کر بڑے سے بڑے جرم کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟ اسی مصلحت کے سبب موقع پرستوں نے مجرمین کی مداحی کی اور وقتی ورکیک فائدے اٹھا کر جرم وظلم کو مدح وتوصیف کا رنگ دے دیا، حضرت مولاناؒ نے کیسا زبردست استشہاد کیا ہے اور کیسی طاقتور بات کہی ہے:۔

''جب ایک بڑھیا خلیفۂ ثانی کو ٹوک سکتی ہے تو ایک مسلمان یا مؤرخ کو یہ حق کیوں حاصل نہ ہو کہ وہ اپنے قائدین کا محاسبہ کرے .....عمر بن الخطابؓ کے زمانہ میں ہر مسلمان کو یہ حق حاصل تھا کہ ان سے جواب طلب کرے، ایک دفعہ وہ مسجد نبویؐ میں خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور کہا کہ سنو لوگو! اور اطاعت کرو، ایک صحابیؓ کھڑے ہوئے اور کہا کہ ہم نہیں سنتے، خلیفہ نے کہا کیوں؟ لوگوں نے کہا آپ کے جسم پر مال غنیمت کی دو چادریں نظر آرہی ہیں، جبکہ ہم لوگوں کے حصہ میں ایک ہی ایک آئی ہے، حضرت عمرؓ نے کہا کیا یہاں عبداللہ بن عمر موجود ہیں؟ وہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ ایک چادر میرے حصہ کی ہے، جو میں نے انھیں دے دی ہے، صحابی نے کہا ٹھیک ہے، اب ہم ہر حکم کی اطاعت کے لئے تیار ہیں۔

اسی ضمیر اور اسی جرأت وہمت کے ساتھ یہ امت زندہ رہی اور حادثات ومصائب کا سامنا کرتی رہی اور اپنی طویل تاریخ میں ترقی یافتہ اور بیدار شعور کا ثبوت دیتی رہی ہے اس نے ہمیشہ حق وانصاف کا ساتھ دیا ہے، اور غلطیوں اور کوتاہیوں کے ارتکاب پر گرفت کی ہے، اور انہی اوصاف کے ساتھ مستقبل میں بھی زندہ رہ سکتی ہے''۔

(عالم عربی کا المیہ ص ۱۲۸)

کمزوریوں پر آزادانہ تنقید: حضرت مولاناؒ نے ہمیشہ کمزوریوں پر بھرپور اور آزادانہ تنقید کی، اس سلسلہ میں وہ کبھی لومۃ لائم کی پرواہ نہیں کرتے تھے، ہندوستان میں جب فکر ومطالعہ سے عاری بعض حضرات نے جمال عبدالناصر کی مخالفت پر مولانا پر تنقیدیں کیں تو باوجود اس کے کہ مولانا اپنی ذات پر کی گئی کسی تنقید کا جواب دینے کا مزاج نہیں رکھتے تھے، لیکن اس پر مولانا سے رہا نہ گیا، پھر انھوں نے ایک بھرپور مضمون لکھ کر ''ندائے ملت'' میں شائع کیا، اس کا یہ اقتباس ملاحظہ کیجئے:۔

''۲۳ جولائی ۱۹۵۱ء کو میں نے دمشق یونیورسٹی کے ہال میں ممبران پارلیمنٹ، اساتذۂ جامعہ، علماء اور عمائدین شہر کے جلسہ میں جس کی صدارت یونیورسٹی کے عیسائی وائس چانسلر مشہور عرب فاضل قسطنطین زریق کر رہے تھے، فلسطین کے مسئلہ اور اس کے حل پر اپنا مقالہ پڑھا جو ''فلسطین کے المیے کے بنیادی اسباب'' کے نام سے دمشق، بیروت سے اور بغداد میں بار بار چھپا ہے، میں نے اس مقالہ میں موجودہ عربوں کی بنیادی کمزوریوں، ان کے رہنماؤں کی خامیوں، اور کوتاہیوں پر آزادانہ تنقید کرتے ہوئے مسئلۂ فلسطین کا حل پیش کیا تھا، عربوں نے اس مشورے کو جو ایک مسافر اور غیر ملکی کی زبان سے پیش ہوا تھا، اور جس میں تاریخ کی تلخی بھی تھی، نہ یہ کہہ کر رد کر دیا کہ ''یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے،، باہر کے کسی آدمی کے مشورہ دینے کا کیا حق ہے؟'' اور نہ وہ اس صاف گوئی اور احتساب پر چیں بہ جبیں ہوئے، اسی طرح ۵۶ء میں مؤتمر اسلامی دمشق کے جلسہ میں ''مسئلہ فلسطین کا تعلق عالم اسلام کے دینی شعور کی بیداری سے'' کے عنوان سے میں نے پھر ایک مقالہ پڑھا اور اس کی اسی طرح پذیرائی ہوئی، اسی طرح دمشق، بیروت، عمان، بغداد اور مکہ معظمہ میں عرب دوستوں کے سامنے اپنے ناقدانہ خیالات، اپنے مخلصانہ مشورے اور اپنے تأثرات وجذبات پیش کرنے کا بار بار اتفاق ہوا، اور انھوں نے ہمیشہ فراخ دلی اور عالی ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا''۔ (عالم عربی کا المیہ ص ۱۵۸)

پیام انسانیت کی اہمیت: زندگی کے تلخ تجربات اور ملک کی نفرت انگیز ودھماکہ خیز صورت حال کے نتیجہ میں مولانا اس نتیجہ پر پہونچے کہ ملک کی فساد زدہ صورت حال سے نجات پانے کے لئے ضرورت ہے کہ سب انسانوں کو انسانیت کا سبق یاد دلایا جائے اور اس طرح سے ملک وملت کی کچھ خدمت کی جائے، یہ کام اس لئے بھی مولانا کو عزیز تھا کہ مولانا کے اندر ایک ایسی ملی تڑپ تھی اور انسانیت کی فلاح کے لئے جذبہ تھا جو ان کو کبھی چین سے نہ بیٹھنے دیتا تھا اور صحت کی خرابی کے باوجود اور بسا اوقات انتہائی حساس (Critical) اور ضعف کی حالت میں بھی سفر پر آمادہ ہوجاتے تھے، مولانا کو اس تحریک سے بہت دلچسپی تھی، اسی سلسلہ کے کچھ سوالات کا جواب دیتے ہوئے یہ فرمایا ہے جس کو یہاں نقل کیا جارہا ہے، جو علماء کے لئے رہنما اقتباس ہے، اگر چہ وہ اس تحریک سے نظریاتی یا جزئی اختلاف رکھتے ہوں، ملک وسماج کی خدمت اور صورت حال کے مطابق اقدامات کرنے کے لئے حضرت مولانا کا یہ پیراگراف رہنما خطوط کی حیثیت رکھتا ہے، اور جذبہ وشوق کو مہمیز کرنے کا کام کرتا ہے، اس لئے کہ یہ اس پیکر عمل کی زبان سے نکلا ہے، جس نے ساری زندگی اسی پر عمل کیا اور قوم ملت کی فلاح وبہبود کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا:

''اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ مسلمانوں کو من حیث الجماعۃ بھی اس دعوت وتحریک سے کچھ فائدہ پہنچے گا؟ کہا گیا۔

میرے نزدیک مسلمانوں کو من حیث الجماعۃ اس کا کچھ بھی فائدہ نہ پہنچے اور ملک کو فائدہ پہنچ جائے جب بھی ان کو یہ کام کرنا چاہیے وہ اپنے دین ومنصب کے لحاظ سے اس کے لئے مامور ہیں، اور ملک میں ہر فائدہ میں شریک، لیکن میرے نزدیک مسلمانوں کے لئے اس ملک میں باعزت طریقہ پر رہنے کا یہی راستہ ہے کہ وہ

اپنی افادیت ثابت کریں، اور اخلاقی قیادت کے اس خلا کو پر کریں جو عرصۂ دراز سے اس ملک میں چلا آرہا ہے، کسی ملک میں کوئی اقلیت یا فرقہ اپنی واضح افادیت وضرورت اور بے لاگ اور بے غرض قیادت و دعوت کے بغیر عزت و اطمینان کے ساتھ نہیں رہ سکتا، اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے ؎

زندگی جہد است استحقاق نیست"

(کاروان زندگی ج ۲ ص ۱۱۵)

ایک حقیقت کا اظہار: مولانا کے مزاج میں جمود، تسامح یا تساہل بلکہ اعراض اور مسائل ومقتضیات زمانہ سے چشم پوشی جیسی کوئی چیز شامل نہیں تھی، وہ ہمیشہ ہمہ وقت تحریک تھے، تحریکی مزاج رکھتے تھے، تجدید، انسانیت کو نفع پہنچانے والی کوششیں اور نافعیت کو تحریک بنادینے کی طبیعت پائی تھی، اس لئے یہ حقیقت ایک تاریخی اصول بن کر بار باران کے قلم وزبان سے نکلی جو نوشتہ قلب و دماغ بنانے کے لائق ہے اور اب تو اس پر عمل ناگزیر ہے:

"ادارہ تاریخ سے نہیں تحریک سے زندہ رہتا ہے، اور تحریک کے لئے حقیقت پسندانہ احتسابِ نفس، نمود وشادابی اور ہر زمانہ میں نئے برگ وبار لانے کی صلاحیت ضروری ہے۔" (کاروان زندگی ج ۲ ص ۳۰۱)

ہر ملی مسئلہ سے دلچسپی: ۱۹۸۲ء میں جب اسرائیل نے لبنانی وفلسطینی مسلمانوں کی ایک خاصی تعداد کو موت کی نیند سلا دیا تو مولانا اپنے آپ کو اس مسئلہ سے الگ نہ رکھ سکے اور تمام دنیا کو مخاطب کرنے لے کئے ایک بیان عربی وانگریزی اور اردو پریس کو ارسال کیا، اس کی تفصیل مولانا کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

"بیروت کے ان واقعات سے متاثر ہوکر میں نے اس کے بارے میں ایک بیان عربی، اردو، اور انگریزی پریس کے لئے تیار کیا، اس میں اسرائیل کی وحشیانہ اور سفاکانہ کارروائیوں فلسطینی پناہ گزینوں اور مجاہدین آزادی کے جبریہ انخلاء، لبنان کے ماروئی عیسائیوں، اور فلانجسٹ کے ہاتھوں فلسطینیوں کے بے رحمانہ قتل پر اپنے گہرے تاثر کا اظہار کرتے ہوئے ملت اسلامی کے افراد کی عموما اور ہندوستانی مسلمانوں کی خصوصیت کے ساتھ دلوں کی ترجمانی کی، اس میں صاف صاف کہا گیا کہ "اس وقت بھی متمدن تعلیم یافتہ اور تہذیب کے مدعی انسانوں میں وہ خون آشامی، بلکہ خونخواری پائی جاتی ہے، جو ہزاروں برس پہلے کے دور جہالت کی خصوصیت اور آدم خور قوموں اور قبائل کی روایت سمجھی جاتی تھی، اس قتل عام نے یہ ثابت کر دیا کہ مذہبی منافرت اور تعصب عیسائی دنیا میں اسی طرح زندہ ہے، جس طرح بارہویں صدی عیسوی میں یورپ کے صلیبی حملہ آوروں کے سینہ میں موجزن تھا، اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی آفتاب نصف النہار کی طرح روشن اور عیاں ہوگئی کہ محض انسانی ضمیر، اخلاقی حس، انصاف اور معقولیت پسند جماعتوں، بلکہ حکومتوں کی ملامت ومذمت، اقوام متحدہ جیسے عالمگیر ادارہ کا احتجاج اور اس کی تجاویز، پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتیں، اور ابھی تک اس متمدن دنیا میں جنگل کا قانون (Might is Right) کا اصول چل رہا ہے، اس کے بعد اس صورتِ حال کے ازالہ کے سلسلہ میں ان تدابیر اور طریق کار کا ذکر کیا، جن کی قرآن اور شریعتِ آسمانی تعلیم دیتی ہے، اور اسلامی بلکہ انسانی تاریخ ان کی کامیابی کے ثبوت اور شہادتیں پیش کرتی ہے" (کاروان زندگی ج ۲ ص ۳۶۵-۳۶۶)

یہی نہیں بلکہ روس جیسی طاقت سے بنرآزما افغان مجاہدین کے لئے بھی مولانا نے ایک تہنیتی پیغام لکھا جو اردو اور عربی میں ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا، اس کے مشتملات مولانا کے الفاظ میں ملاحظہ کرنے سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ مولانا حتی الامکان اپنی ذات سے اسلام اور عالم اسلام کی بالادستی، رجوع الی الاسلام اور ایمان کی طاقت کو حاصل کرکے دنیا کی قیادت کے خواہاں تھے، اس کے لیے ان سے جو کچھ ممکن تھا اس کا اقدام کرتے تھے، اگر آخری درجہ میں ان کا ایک بیان بھی صحیح فکر کی ترویج واشاعت میں معاون ہوتا اور اس سے کچھ لوگوں کی حوصلہ افزائی ہوتی تو ضرور دیتے تھے، خود

ان ہی کے الفاظ میں ''ایک داعی کی حیثیت سے مجھے اس موقعہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیئے کہ:

غریب شہر سخن ہائے گفتنی''

کشمیر یونیورسٹی نے جب ڈاکٹریت کی اعزازی ڈگری دینے کا فیصلہ کیا تو مولانا کو تردد تھا لیکن مذکورہ بالا خیال کے پیش نظر اس کو قبول فرمایا، اور اس میں یہ سوچ کر شرکت کی اس تقریب میں جدید تعلیم کے ماہرین اور فضلاء واساتذہ کے سامنے اپنے تعمیری خیالات رکھنے کا موقع ملے گا اور اپنے مشوروں سے ان تک اپنا پیغام پہنچایا جاسکے گا۔

سب جانتے ہیں کہ روس کے دانت افغان مجاہدین نے کھٹے کیے اور ایک بار پھر اللہ کے بندوں نے ہر ملک کے مسلمانوں کو ایک حوصلہ و جذبہ دیا اور دشمنوں سے قربانیوں کے ساتھ مقابلہ کی ایک نظیر قائم کی، جب تک امریکہ کے ان مجاہدین سے مفادات وابستہ رہے وہ ان کی مدد کرتا رہا لیکن جب روس بکھر گیا اور امریکہ کو اپنی تاناشاہی میں یہ مجاہدین رکاوٹ نظر آئے تو ان کو دہشت گرد اور شدت پسند طالبان کا نام دے دیا اور پھر افغانستان کو تاراج کر دیا، ان ہی مجاہدین کے نام مولانا کے تہنیتی پیغام کے مشتملات مولانا کے الفاظ میں ملاحظہ کریں:

''دسمبر ۱۹۸۲ء میں میں نے عربی میں ''افغان مجاہدین کو سلام'' کے عنوان سے مجاہدین افغانستان کے لئے ایک تائیدی تہنیتی پیغام لکھا جنہوں نے کمیونسٹ حملہ اور روس جیسی دنیا کی دوسری عظیم طاقت کے مقابلہ کی عالم اسلام میں ایک نئی نظیر قائم کی تھی، جس سے ہر ملک کے صحیح الخیال مسلمان ایک نیا حوصلہ اور جذبہ محسوس کرتے تھے، اور گویا انہوں نے عہد حاضر میں اسلام اور مسلمانوں کی شرم رکھی تھی، اور ثابت کر دیا تھا کہ ؎

بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں

اس بیان میں کمیونسٹ انقلاب اور اشتمالی فلسفہ کی حقیقت پر بھی روشنی ڈالی گئی تھی، اور بتایا گیا تھا کہ اس فلسفہ کے اثرات سیاسی اور اقتصادی میدانوں تک محدود نہیں ہیں، اس کی خطرناک، شدید اور تباہ کن ضربیں عقیدہ وعمل کی ان بنیادوں اور شرافت واخلاق کے ان تمام اصول ومسلمات پر بھی پڑتی ہیں، جن پر تمام آسمانی مذاہب کا اتفاق ہے، اور تاریخ کے ہر دور میں ان پر انسانی معاشرہ کی بنیادیں استوار ہوئیں، اور وہ فطرت انسانی اور عقل سلیم کا عین تقاضا ہیں، کمیونزم ان انسانی قدروں کی بنیادیں منہدم کر کے اس کے کھنڈروں پر کلیۃً ایک مصنوعی اور مشینی معاشرہ کی تعمیر کرنا چاہتا ہے، یہ المناک حقیقت ہے کہ انسانیت کے خلاف اس منفی، غیر فطری، مجرمانہ اور انتشار انگیز سازش کو ایسی کامیابی حاصل ہوئی جس کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی، پھر افغانستان کے مجاہدین کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا گیا کہ افغانستان تنہا وہ ملک ہے، جہاں غیر ملکی فوجوں اور سیاسی قزاقوں کے خلاف، فوجی اعتبار سے ناسازگار اور سخت حالات کے باوجود اتنی لمبی مدت تک جنگ جاری رہی جس کی دوسرے اسلامی ملکوں میں مثال نہیں ملتی، اس کا راز ان کی قومی غیرت، دینی حمیت، سخت کوشی اور سپاہیانہ زندگی میں پوشیدہ ہے، آخر میں اقبال کے ان دو شعروں پر ختم کیا گیا ؎

قلندرانہ ادائیں سکندرانہ جلال
یہ امتیں ہیں جہاں میں برہنہ شمشیریں
خودی سے مرد خود آگاہ کا جمال و جلال
کہ یہ کتاب ہے باقی تمام تفسیریں

یہ بیان نومبر ۱۹۸۲ء کے آخر میں جاری کیا گیا، اور عربی، اردو میں اس کی وسیع پیمانہ پر اشاعت ہوئی، یہ ایک دور افتادہ مسلمان کے دینی جذبات کا اظہار اور وہ اخلاقی واصولی تائید وحمایت تھی، جو ایک قلیل الوسائل کثیر المسائل ہندوستانی مسلمان پیش کر کے اپنے ضمیر کو ہلکا اور اپنے قلب کو مطمئن کر سکتا تھا'' (کاروان زندگی ج ۲ ص ۳۶۷-۳۶۸)

☆☆☆

❑ محاسن اسلام

اسلام اور نظام طلاق

مجیب الرحمٰن عتیق ندوی

نوٹ: صفحات کی تنگی کے سبب اس مضمون کے ابتدائی صفحات کی تلخیص کردی گئی ہے۔ (ادارہ)

آج کل طلاق کے موضوع کو لے کر ایک ہنگامہ برپا ہے، اور اس شور قیامت کے پیچھے وہی برہمن کی پختہ زناری ہے، تین طلاق سے متعلق عدالت میں مختلف مواقع پر درخواستیں دی گئیں، اس مرتبہ سپریم کورٹ نے حکومت ہند سے ہندوستان کے مسلمانوں میں موجود اس ظالمانہ و جابرانہ قانون نظام طلاق کے بارے میں جواب داخل کرنے کا نوٹس دیا ہے، ادھر میڈیا حرکت میں آیا پھر کیا تھا، ناچنے اور تھرکنے والے، بے حیاء، بدقماشوں سے لے کر سیاسی بازی گروں تک سب نے اپنے اپنے رنگ دکھائے، وزارت عظمی کی کرسی پر بیٹھے ہوئے ہمارے وزیر اعظم طلاق کے ذریعہ ہندوستانی خواتین پر ہونے والے ظلم کو دیکھ کر تلملا گئے، اور انہیں انصاف دلانے کے لئے میدان میں اتر آئے، جو قوم اپنے طبقاتی نظام کو ایک نہ کرسکی، اپنے ملک میں دبے کچلے انسانوں کو انصاف نہ دے سکی، جو وزیر اعظم اپنی بیوی کو بیوی کے حقوق نہ دے سکا، اس کا جذبۂ انصاف قابل حیرت بھی ہے اور قابل شرم بھی، تین طلاق ایک ایسا ظلم ہے جس کو عدالت عظمی، لا کمیشن اور حکومت ہند کسی حال میں اب نہیں ہونے دیں گے، ماؤں اور بہنوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے گا، کسی کے تین طلاق دینے سے اب اس کی بیوی اس سے الگ نہیں ہوگی کیوں کہ تین طلاق قرآن میں بھی نہیں ہیں، یہ ہے وہ خوبصورت جذبہ انصاف جس کا پرچم وقت کے مجرموں، قزاقوں اور نہ جانے کتنے بے گناہوں کے خون سے رنگین ہاتھوں میں نظر آرہا ہے۔

طلاق مذہب اسلام میں نہ ظلم ہے اور نہ ہی اس میں تبدیلی و ترمیم کا کوئی حق رکھتا ہے، طلاق اسلام کے معاشرتی نظام میں زوجین کے اختلافات کو حل کرنے کی شکلوں میں ایک شکل ہے، پورے نظام کا ایک جز ہے، اگر اس کو پورے نظام سے الگ کرکے دیکھا جائے گا تو حالت وہی ہوگی جو کسی خوبصورت قمیص سے ایک ٹکڑے کو الگ کرکے اس کی ہوتی ہے، ہم ذیل کی سطور میں اسلام کے نظام طلاق اور عائلی مسائل میں اس کی حکمت و مصلحت کو ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

معاشرتی مشکلات کے حل کا اسلامی نظام:

طلاق پر گفتگو کرنے سے پہلے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ایک نظر اس نظام پر بھی ڈال لیں جو زوجین کے باہم اختلاف کو دور کرنے کے لئے اسلام نے پیش کیا ہے، قرآن مجید میں فرمایا گیا:

الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض وبما انفقوا من اموالهم فالصالحات قانتات حافظات للغيب بما حفظ الله واللتى تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن فى المضاجع واضربوهن فان اطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلا إن الله كان عليا كبيرا فان خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكما من اهله وحكما من اهلها ان يريدا اصلاحا يوفق الله بينهما ان الله كان عليما خبيرا (النساء) ارشاد خداوندی ہے کہ مرد عورتوں پر نگراں وقوام ہیں، اس وجہ سے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت بخشی ہے، اور اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں، پس جو نیک

بیویاں ہیں وہ فرمابرداری کرنے والی ، رازوں کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں، اس وجہ سے کہ اللہ نے بھی رازوں کی حفاظت فرمائی ہے، اور جن سے تمہیں سرتابی کا اندیشہ ہو تو ان کو نصیحت کرو، اور ان کو ان کے بستروں میں تنہا چھوڑ دو، پس اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان کے خلاف راہ نہ ڈھونڈو، بے شک اللہ بہت بلند اور بڑا ہے، اور اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان افتراق کا اندیشہ ہو تو ایک پنچ مرد کے لوگوں میں سے، مقرر کرو اور ایک پنچ عورت کے لوگوں میں سے اگر دونوں اصلاح کے طالب ہو نگے تو اللہ ان کے درمیان سازگاری پیدا کردے گا، بے شک اللہ علیم وخبیر ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت میں زوجین کے درمیان نااتفاقی کو دور کرنے اور باہم الفت ومحبت کی زندگی میں ناہمواری کو ختم کرنے کے لئے خالق فطرت نے ایک محکم اصلاحی نظام بیان کیا ہے، انسانی زندگی میں طبیعت اور ذوق ومزاج کے اختلاف کی وجہ سے میاں بیوی کے رشتہ میں اس طرح کا اختلاف پیدا ہوجانا کوئی اجنبی اور حیرت انگیز بات نہیں ہے، معمولی سے اختلاف پر یا ذرا سی تلخی زوجین میں ہوجائے تو اس محبت والفت کے خوبصورت رشتہ کو فورا طلاق کے نشتر سے چیر دینا، اور رشتۂ ازدواج کو یکلخت پہلے ہی مرحلے میں ختم کرنا اسلام کی تعلیمات اور اس کے ذوق ومزاج کے یکسر خلاف ہے، اللہ رب العزت نے اس آیت میں یہ چار نکاتی اصلاحی پروگرام بیان فرمایا ہے، اور اس پروگرام کے ذکر کرنے سے قبل بطور تمہید ومقدمہ کے یہ بات ذکر کی گئی کہ جس طرح ایک ریاست کے نظم وضبط، قیام وبقاء اور نگرانی وتحفظ کے لئے ایک ذمہ دار کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح ایک گھر کی چھوٹی وحدت بھی ایک ریاست کی مانند ہے جو ایک سربراہ کی محتاج ہے، خدا نے گھر کے نظم وضبط اور انتظام وانصرام کی ذمہ داری مرد کے سپرد کی ہے، یہ ذمہ داری مردوں کے حوالے کی گئی ہے، اس میں عورتوں کی حق تلفی یا ان کے ساتھ ظلم نہیں ہے، بلکہ ان کی نفسیات وخلقت اسی کی متقاضی تھی کہ ان کے سر پر یہ بوجھ نہ ڈالا جاتا، چنانچہ قرآن مجید نے اس ذمہ داری وقیادت کی دو انتہائی معقول بنیادیں بھی ذکر کی ہیں: وہ یہ کہ مردوں کو عورتوں پر بعض خصوصیات میں تفوق حاصل ہے، جن کی وجہ سے یہ ذمہ داری اور سربراہی اس کو دی گئی ہے، ورنہ بالکل عین ممکن ہے کہ بعض دوسری صفات میں عورتوں کو تفوق حاصل ہو، مگر نگرانی وسربراہی، قیادت وفیصلہ سازی، حفاظت ومدافعت اور نظم و انتظام (management and discipline) جن صفات کو چاہتے ہیں وہ صرف مردوں میں پائی جاتی ہیں، قوامیت کا مطلب محض مردوں کی فضیلت نہیں ہے، بلکہ وہ صفات ہیں جو ایک قائد ومنتظم میں ہوتی ہیں، نفسیاتی اور خلقی لحاظ سے عورتیں ان کی متحمل نہیں ہوسکتیں، ایک گھر کی ریاست کی یہ ترتیب بتانے کے بعد قرآن مجید نے نیک وصالح بیویوں کا رویہ، ان کا طرز عمل بتایا ہے کہ وہ اس مملکت وریاست کے قیام وبقاء اور اس کو اچھی طرح چلانے میں کس طرح اطاعت ومعاونت کا معاملہ کرتی ہیں، کس طرح اپنی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دیتی ہیں، صاف صاف بتایا گیا کہ صالح ونیک بیویاں بات بات پر جھگڑے وناراضگی کا مزاج نہیں رکھتیں، وہ نظام زندگی میں اپنی قیادت اور اس کی قوامیت کے ساتھ معارض اور اپوزیشن کا کردار نہیں ادا کرتی ہیں، وہ زندگی کے معاملات ونظام میں مرد بن کر رہنے کے بجائے عورت ہی بن کر رہتی ہیں، اور اپنے گھر کے ماحول میں ہنستا کھیلتا چمن بناتی ہیں، ان کی خاص صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے قوام ونگراں کی اطاعت کرتی ہیں، اس کے رازوں اور اس کی عزت وناموس کی حفاظت کا فرض انجام دیتی ہیں، ایک حدیث میں صالح وفرماں بردار اور گھروں کو جنت کا نمونہ بنانے والی بیویوں کی صفات کو معلم انسانیت آنحضرت ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا:

حضرت ابوامامہؓ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک مؤمن کے لئے خدا کے تقوی کے بعد سب سے زیادہ مفید اور

بہتر شئی ایسی نیک بیوی ہے، کہ اگر وہ اسے حکم دے تو اطاعت کرے، اگر اس کی طرف دیکھے تو طبیعت خوش ہو جائے، اگر وہ اس پر قسم کھا کر کچھ کہہ دے تو وہ اس کے قول وقسم کا لحاظ کر کے پورا کرے ،اگر شوہر غائب ہو تو وہ اپنی عزت وناموس اور اس کے مال واسباب کی حفاظت کرے، (ابن ماجہ)

یہ ہے معاشرتی زندگی کا وہ نظام جس کو اسلام پیش کرتا ہے، جس میں محبت والفت کے ساتھ ایک خاندان اپنی زندگی ہنستے کھیلتے اور مسکراتے ہوئے گذارتا ہے، ہر ایک اپنی ذمہ داریوں کے احساس اور حقوق کی رعایت، احترام باہمی کے ساتھ زندگی میں ایک دوسرے کا رفیق ومعاون بن کر رہتا ہے، اب اگر اس نظام میں کچھ نا اتفاقی ہو جائے تو اسلام اس کا بھی ایک اصلاحی نظام اس آیت میں پیش کرتا ہے، پہلے ہی مرحلے میں طلاق وعلیحدگی کے ذریعہ خاندانی نظام کو درہم برہم کرنے کا حکم نہیں دیتا، بڑے ناسمجھ اور اسلام کی اصلاحی اسکیم سے ناواقف ہیں وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ ذرا اختلاف ہو تو طلاق دیکر معاملہ ختم کر لیا جائے، ہم طلاق کے نظام اور اس کے احکام وطریقے کو جاننے سے پہلے مناسب سمجھتے ہیں کہ ایک نظر اس اصلاحی پروگرام پر بھی ڈال لیں۔

اسلام نے طلاق سے پہلے جس کی طرف رہنمائی کی ہے یہ چار نکاتی پروگرام ہے جس میں تین تدبیریں ذاتی ہیں، کہ آپس میں مفاہمت کر لیں، اگر خود آپس میں مسئلہ حل نہ ہو سکے تو پھر خارجی مداخلت سے مسئلہ حل کرنے اور زندگی کو خوشگوار بنانے کی کوشش کریں، قرآن مجید کی اس آیت میں پہلی تدبیر یہ ذکر کی گئی کہ اگر بیوی کی جانب سے کوئی بات پیش آئے جس سے گھر کے نظام اور اس چھوٹی سی ریاست میں اختلال وبدامنی پیدا ہو رہی ہو، عورت کا رویہ اس کے ذمہ دار ونگراں اور قوام کے مخالف ہو، اس کی حیثیت اور قوامیت کو چیلنج کرتا ہو، اور بیوی شوہر کی نافرمانی کرے، اس حالت کی قرآنی تعبیر ''نشوز'' ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ گھریلو نظام میں پر مسرت وخوشگوار ازدواجی زندگی کے بجائے تصادم اور بغاوت شروع ہو جائے، تو پھر مرد کی نگرانی وقوامیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس نازک صورتحال کی درستگی کے لئے سب سے پہلا کام یہ کرے کہ وعظ ونصیحت سے کام لے، نرمی وآشتی سے سمجھایا جائے، اگر عورت سمجھ دار ہے، شریف طینت ہے تو یہ کافی ہوگا، ورنہ اگر اس سے بھی مسئلہ حل نہ ہو سکے تو اس سے تعلقات زن وشو ظاہراً منقطع کر لو، بستر الگ کر کے نفسیاتی احساس دلاؤ کہ اس کا رویہ نامناسب ہے، جب عورت کی بدمزاجی اور نافرمانی اس حد تک بڑھ جائے کہ اس کے اندر اب بھی اطاعت کا جذبہ اور یہ احساس وشعور بھی پیدا نہ ہو سکے کہ میرا رویہ غلط اور نامناسب ہے، تو پھر مرد کو اس کی تادیب کے لیے اس طرح سزا دینے کا اختیار ہے جیسے ایک معلم ومؤدب اپنے شاگردوں کی تربیت کے لئے انہیں کبھی سزا بھی دیتا ہے، مگر شریعت نے اس کے حدود متعین کئے ہیں کہ یہ سزا برائے سزا نہیں بلکہ صرف ان کے احساس کو جگانے کے لئے ایک نفسیاتی تازیانہ سے زیادہ نہ ہو، تمام مفسرین ومحدثین اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ سزا بالکل ہلکی اور ''ضرب غیر مبرح'' یعنی ایسی سزا ہو جس میں کوئی چوٹ یا زخم کا نشان نہ ہو، مولانا ماجد دریابادیؒ نے بڑی لطیف تعبیر اختیار کی ہے فرماتے ہیں ''ایسی نہ ہو جس سے چوٹ زیادہ آئے یا جس سے رفیق زندگی کی توہین لازم آتی ہو (تفسیر ماجدی)۔

یہ بالکل طبعی اور فطری بات ہے کہ عورتوں اور خواتین کو اس طرح کی تنبیہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے، ان میں ہو سکتا ہے کہ مفاہمت اور تادیب کے دوسرے طریقوں سے اصلاح کا جذبہ نہ پیدا ہو سکے تو مجبوراً یہ تیسری راہ اختیار کی جائے گی، مولانا دریابادی نے زبردست بات ارشاد فرمائی ہے۔

''قرآن مجید کا خطاب ظاہر ہے (لیکن بار بار اسے یاد کر لینے کی ضرورت ہے) کہ کسی ایک طبقہ، کسی ایک قوم، کسی ایک تمدن سے نہیں، اس کے مخاطب عرب وعجم، چینی وحبشی، انگریز اور ہندی، رومی

اور جاپانی، اعلیٰ اور ادنی، شریف ورذیل، عامی وعالم، فہیم اور کودن، چمار اور چوہڑے، نائی ودھوبی، شہری اور دیہاتی، نیک بخت اور بد باطن، ہر طبقہ، ہر سطح اور ہر ذہنیت کے لوگ، پہلی ہجری سے لیکر قیامت تک ہر زمانے اور دور والے ہیں، اور اس کے احکام و مسائل میں لحاظ ہر انسانی ضرورت اور ہر بشری ماحول کا کیا گیا ہے، اور یہ مشاہدہ ہے کہ بہت سے معاشرے اور طبقے ایسے ہیں جہاں عورت کے لئے جسمانی سزائیں عام ہیں، علاج کی یہ صورت ظاہر ہے کہ ان ہی طبقوں کے لئے ہے، پھر اتنی اجازت بھی ضرورت پڑنے ہی پر ہے، ورنہ سیاق نرمی ہی کی سفارش کر رہا ہے، اور اہل تحقیق نے تصریح کر دی ہے کہ نرم تدبیر اگر کافی ہو جائے تو سخت تر صورت ہرگز جائز نہیں۔ (حاشیہ ۱۱۹ تفسیر ماجدی)۔

اس کے بعد بتایا گیا کہ اگر ان تدابیر سے کام نہ چلے اور زوجین اپنے اختلاف کو دور کرنے میں ناکام ہو جائیں تو پھر ایک اور کوشش خارجی تدبیر کی حیثیت سے کرنا چاہئے، وہ یہ کہ میاں بیوی کے درمیان ''شقاق'' یعنی ایسی کشمکش اور اختلاف ہو جسے وہ خود نہ دور کر سکیں تو خطاب عام کے ساتھ یہ فرمایا گیا "فان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینھما" اگر میاں بیوی کے اختلافات میں ان کی باہمی تدابیر ناکام ہو جائیں، وہ اپنے مسائل خود نہ سلجھا سکیں تو چاہئے کہ تم ایک حکم عورت کے خاندان سے اور ایک حکم مرد کے خاندان سے مقرر کر دو، اگر دونوں کی نیت اصلاح حال کی ہوگی تو اللہ ان کے درمیان موافقت پیدا فرمائے گا، اس آیت میں خطاب عام ہے، مفسرین نے لکھا ہے کہ حکام و امراء نہ بلکہ تمام مؤمنین مراد ہیں، مسلمان اور اہل ایمان ، ارباب حل وعقد بلکہ تمام مؤمنین مراد ہیں، مسلمان اور اہل ایمان ایک دوسرے سے کٹ کر، ایک دوسرے کے مسائل سے دور رہ کر زندگی نہیں گذارتے، بلکہ ان کا ہر فرد اجتماعیت کا اہم جزء ہوتا ہے، اسلام نے مسلمانوں کو اختلاف رنگ ووطن کے باوجود جسم واحد کی طرح تسلیم کیا ہے، جس کے کسی حصہ میں تکلیف ہو تو سارا بدن درد محسوس کرتا ہے، یہ کیسے ممکن تھا کہ ایک گھرانہ باہمی شقاق واختلاف کا شکار ہو کر اپنے مسائل حل نہیں کر پا رہا ہے اور ایک رشتہ ازدواج ٹوٹنے کے درپے ہے، اور اس کے بارے میں مسلمانوں کی اجتماعیت کو ان کی ذمہ داری کا احساس نہ دلایا جائے، چنانچہ اللہ رب العزت نے اس موقع پر افراد کے عائلی مسائل کو حل کرنے کے لئے امت کو خطاب کیا، اس لئے کہ

فرد قائم ربط ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں بیرون دریا کچھ نہیں

مولانا دریابادی مرحوم نے اپنے بلیغ انداز میں تحریر فرمایا ہے ''خطاب عام امت اسلامیہ کو ہے اور حکام واہل حل وعقد کو بدرجہ اولیٰ امت اور افراد امت کا ساتھ چولی دامن کا ہے، افراد کے باہمی اور خانگی مناقشوں سے معاشرہ کا دامن بالکل الگ اور بے تعلق نہیں، کہ افراد ہی کی صالحیت پر امت کی صالحیت کا مدار ہے، آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ افراد کے خانگی نزاعوں کو امت اپنا ہی معاملہ سمجھے'' (حاشیہ ۲۲۱ تفسیر ماجدی)۔

اب اگر اصلاح احوال کی یہ کوشش بھی ناکام ہوتی ہے، اور اختلاف کی خلیج مزید وسیع ہو رہی ہے، تو اب یہ بالکل خلاف فطرت اور خلاف عقل ہے کہ زوجین باہمی نزاع واختلاف اور ذہنی تناؤ، ایک دوسرے کی مخالفت کیساتھ زندگی کی گاڑی کو زبردستی ناہموار راستہ میں دھکیلتے رہیں، ایسی صورت میں یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ دو حساس دلوں کو آتش اختلاف میں جلتے ہوئے چھوڑ دیا جائے، رعایت، اس صورتحال میں رشتہ ازدواج کو قائم رکھنا انسانی صحت و فکر، مثبت ومتوازن طرز معاشرت، صالح تربیت اور نظام زندگی کیلئے انتہائی مضر ہے، بلکہ بسا اوقات اس کے نتائج بڑے مہلک ہوتے ہیں، ایسی فضا میں جن بچوں کی تربیت ہوتی ہے ان کی نشو ونما

اور ذہنی پرورش متاثر ہوتی ہے، صلاحیتیں ضائع ہو جاتی ہیں، اور یوں فرد کی تباہی سے معاشرہ کی تباہی وجود میں آتی ہے، ایسی صورتحال میں زوجین کے درمیان ناہمواری کو ختم کرنے کے لئے، خوش اسلوبی کے ساتھ الگ ہونے کا شرعی نام طلاق (divorce) ہے تاکہ مستقبل میں جہاں دونوں کے لئے موافق طبیعت آسودہ زندگی گذارنے کے مواقع فراہم ہوسکیں، جن مذاہب نے یہ نظام نہیں رکھا، ان کے یہاں ازدواجی الجھنوں سے نکلنے کا راستہ صرف یہ رہ جاتا ہے کہ بیویوں کو کھانے میں زہر دے دیں، یا زندہ جلا کر ختم کردیں، تاکہ مشکلات زندگی سے چھٹکارامل جائے۔

اسلام کا نظام طلاق ، اسکا طریقہ اور حکمتیں : بعض سطحی سوچ رکھنے والے کہتے ہیں کہ طلاق عورت کے ساتھ ظلم ہے کہ اک گھرانہ اجڑتا ہے، اور عورت بے سہارا ہو جاتی ہے، ہر بات کو کہنے اور سوچنے کے مختلف طرز ہوسکتے ہیں، اگر اچھی اور معقول بات کو بھی منفی انداز سے ذکر کیا جائے تو وہ کچھ سے کچھ ہوجاتی ہے، اگر یہ کہا جائے کہ ایک بے رحم وظالم شخص نے درد وکرب سے تڑپتی ایک عورت کا پیٹ چاک کر ڈالا، ایک دوسرے بے رحم نے ایک ضعیف وکمزور بوڑھے کی آنکھ میں نشتر چبھو دئے ،ایک جلاد نما شخص نے پھول سی معصوم بچی کے ہاتھ کو چیر ڈالا، اگر اسی اسلوب وطرز سے بیان کیا جائے تو کونسا دل ہے جو نہ روئے ،کون آنکھ ہے جو نہ روئیگی، مگر اسی بات کو اب یوں کہئے کہ ایک اچھے ڈاکٹر نے تکلیف سے بے چین حاملہ (Pregnant) عورت کا آپریشن کرکے اسے راحت پہونچائی، ایک آئی سرجن (Eye surgeon) نے بوڑھے شخص کی آنکھ کا آپریشن کرکے اس کو دیکھنے کے لائق بنایا، ایک ماہر جراح (surgeon) نے بچی کے ہاتھ میں پھوڑا دیکھ کر اس کو صاف کردیا، تو یہی ظلم وبے رحمی کی شکلیں انتہائی ہمدردی ورحم بن جاتی ہیں۔

اسی طرح اگر یہ کہا جائے اور منفی طرز واسلوب میں بیان کریں کہ طلاق بڑا ظلم ہے، ایک گھر اجڑ جاتا ہے، ایک عورت بے سہارا ہو جاتی ہے تو واقعی یہ ظلم معلوم ہوتا ہے، مگر اسی کو یوں کہئے کہ باہم معاشرتی اختلافات اور ناہمواری، اور نفرت کی جہنم میں جھلسے ہوے ایک خاندان کو محبت والفت کی نئی زندگی گزارنے کے مواقع فراہم کردئے گئے، تو یہی طلاق ظلم نہیں بلکہ ان کے درد کا درماں، اور ان کی تاریک زندگی میں روشنی کی ایک کرن معلوم ہوگی، اور خاندانی مشکلات سے نکلنے کا ایک طبعی وفطری حل معلوم ہوگا۔

طلاق کا اسلامی طریقہ: اوپر ہم ذکر کرچکے ہیں کہ طلاق اسلام میں ناقابل حل معاشرتی اختلاف اور زوجین کی ناقابل حل نفرت کے لئے آخری علاج ہے، یہ وہ دوا ہے جو مریض کو انتہائی نازک اور آخری حالت میں دی جاتی ہے، اسلام نے جب ساری تدبیریں ناکام ہوجائیں تو طلاق کا راستہ اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ " **ابغض الحلال عند الله الطلاق** " اللہ کے نزدیک یہ سب سے زیادہ ناپسندیدہ جائز عمل ہے، بہر حال جب طلاق دینا ہی پڑے تو اسلام اس کا بھی ایک خاص نظام اور ترتیب سکھاتا ہے۔

اسلام یہ سکھاتا ہے کہ طلاق کا اچھا اور بہتر بلکہ صحیح اور معقول طریقہ یہ ہے کہ عورتوں کو ان کے ایام ماہواری (Monthly period) گزرنے کے بعد جب پاکی کے ایام شروع ہوجائیں تو ان کے ساتھ زن وشو کے تعلقات قائم کئے بغیر صرف ایک مرتبہ طلاق دے دیں، امام نسائی نے سنن میں حضرت عبداللہ بن مسعود ? سے روایت نقل فرمائی ہے کہ "**طلاق السنة ان يطلقها طاهرا في غير جماع**" اس کے علاوہ جب اس ترتیب ونظام کے خلاف ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایام ماہواری کے درمیان اپنی بیوی کو طلاق دی تھی، تو آنحضرت ﷺ نے ان کو رجوع کا حکم دیا ، جو اس کا اشارہ تھا کہ یہ طلاق کا اسلامی وشرعی طریقہ نہیں ہے۔

اس طرح طلاق دینے کے بعد اب عورت کی عدت شروع ہو

جائیگی ،عدت کے بارے میں قرآن مجید میں یہ حکم دیا گیا "لا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن الا أن ياتين بفاحشة مبينة " عورتیں اپنے شوہر کے گھر میں ہی عدت گزاریں گی ،نہ انہیں گھر سے باہر نکالا جائیگا، اور نہ ہی وہ خود اپنی مرضی سے شوہر کے گھر کو چھوڑیں گی،طلاق رجعی کی عدت میں عورتوں کو حکم ہے کہ زیب وزینت کے ساتھ رہیں، اچھی طرح بن سنور کر رہیں،ممکن ہے کہ شوہر کی نیت بدل جائے اور ہوسکتا ہے کہ تقریبا تین ماہ کی اس مدت میں دونوں اپنے اختلافات کی وجہ سے علیحدگی پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرلیں، اور رجعت سے کام ہوجائے اور ایک گھر ٹوٹنے بکھرنے سے محفوظ رہے،طلاق کا یہ بہتر طریقہ بتا کر اسلام نے مزید کچھ غور کرنے کی مہلت زوجین کو دی ہے،تا کہ اگر کوئی امکان نکل سکتا ہو تو وہ اس پر غور کرلیں ، مذکورہ بالا اصلاحی تدابیر،زوجین کے اختلافات کو دور کرنے کے لئے تجاویز ومشورے اور طلاق کا بھی ایسا طریقہ جس کے بعد پھر ایک مرتبہ غور وفکر کا راستہ کھلا رکھنا، یہ وہ ترتیب ونظام ہے جس کے ذریعہ اسلام نے طلاق کے ذریعہ علیحدگی و فرقت کے امکانات کو بڑی حد تک کم (Minimize) کردیا ہے،طلاق کے اس نظام وسسٹم اور اسلام کے ذوق ومزاج پر غور کرنے کے بعد انتہائی موٹی عقل رکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ طلاق عورت پر ظلم کا یا اسلامی نظام کے کسی جائرانہ و ظالمانہ طریقہ کا نام نہیں ، بلکہ یہ بالکل اسی طرح کا نشتر ہے جس کا استعمال ساری تدبیروں اور علاجوں کے ختم ہونے کے بعد پورے جسم کو بچانے کے لئے ایک ماہر طبیب (surgeon) کرتا ہے، اب اگر کوئی شخص اس نظام سے ناواقف ہو، یا اس نظام سے خلاف ورزی کرتا ہو تو یہ اس کا قصور ہے، اسلامی نظام کا نہیں ہے۔

تین طلاق کا مسئلہ : تین طلاق کے بارے میان جو ہنگامہ برپا ہے،اس کو ذرائع ابلاغ اور ملک کی سیاست نے وقت کا سب سے اہم مسئلہ بنادیا کہ تین طلاق قرآن مجید میں نہیں ہے،اس کے ذریعہ عورتوں پر صریح ظلم ہوتا ہے، دراصل مسئلہ یہ نہیں ہے، بلکہ اس کے پس پردہ وہی برہمن کی پختہ زناری ہے، بات یہ ہے ہی نہیں کہ یہ شور مچانے والے عورتوں کے ہمدردی اور انسانیت کے بہی خواہ ہیں، یہ تو بقول غالب ؎

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے یہ بازی گر دھوکہ کھلا

عجیب بات ہے کہ جو قوم اپنے خداؤں کو ایک نہ کرسکی ،اپنے طبقاتی نظام اور اونچ نیچ کو ختم نہ کرسکی، جس کے بدترین طبقاتی نظام کی چکی میں ہزاروں سال سے قومیں پستی رہی ہیں، جن کے بے رحم ہاتھوں اور سیاسی چالبازیوں نے ایک دو درجن نہیں بلکہ ہزاروں بے گناہوں اور معصوموں کا خون کیا ہے، وہ تین طلاق کے ذریعہ عورتوں پر ہوئی مظلومیت کی تاب نہ لا سکے، اور بے چین ہو کر تین طلاق کے ذریعہ اجڑے ہوئے گھروں کو آباد کرنے اور ستم رسیدہ خواتین کو انصاف دلانے کے لئے میدان میں اتر آئے ،سیاسی بازیگروں کے ساتھ ملک کا عدلیہ، قانون ساز اسمبلی سب کے سب خواتین پر ہونے والے ظلم پر چیخ اٹھے، اس شور قیامت میں ہر ایک نے خوب اڑائی ،اور سب نے یہی بتایا کہ قرآن میں تین طلاق نہیں ہے، یہ عورت پر ظلم ہے، اس کو نہیں ہونا چاہئے۔

ہم ذیل میں مختصر طور پر مندرجہ ذیل امور ذکر کریں گے تا کہ تین طلاق کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر اور اس کی حیثیت معلوم ہوجائے۔

۱ تین طلاق کیا قرآن میں ہیں یا نہیں؟
۲ تین طلاق کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر کیا ہے؟
۳ تین طلاق ناجائز ومکروہ اور انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے تو وہ پھر بھی کیوں واقع ہوتی ہیں؟

تین طلاق اور قرآن مجید: بعض ذہنوں میں یہ اشکال ہے یا یہ مغالطہ دیا جارہا ہے کہ تین طلاق قرآن میں مذکور نہیں ہیں ،حالانکہ یہ کم فہمی کا نتیجہ ہے، اور حقیقت اس کے خلاف

ہے،قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالی نے ارشادفرمایا ہے "الطلاق مرتان فامساك بمعروف أو تسريح باحسان "(ایسی)طلاق (جس کے بعد رجعت کی جاسکتی ہے) دومرتبہ ہے (اس کے بعد) پھر بہتر طریقہ پر بیوی کو اختیار کرنا ہے، یا خوش اسلوبی سے رخصت کرنا ہے۔

اس آیت میں دراصل طلاق کی تعداد نہیں بتائی گئی ہے کہ بس دو ہی ہیں، بلکہ یہ بتایا گیا ہے کہ طلاق کی ایک حد Limit ہے،اس حد کے بعد رجعت کی گنجائش ختم ہوجاتی ہے، دوطلاق تک یہ گنجائش باقی رہتی ہے،لہذا دوطلاق تک یہ اجازت ہے کہ اگر وہ رجعی طلاق تھی تو اس میں رجوع کر سکتے ہیں، ان دو کے بعد صرف یہی صورت ہے کہ یا تو بیوی کو بیوی بنا کر اچھی طرح رکھو، یا خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کر دو، اب تیسری مرتبہ رجعت کا اختیار ختم ہو جاتا ہے،قرآن مجید کے اس لفظ ''تسریح باحسان'' ہی میں تیسری طلاق کا اشارہ ہے،مشہورامام تفسیرابن کثیر نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے:

''اس آیت کریمہ میں ابتدائے اسلام کے ایک حکم کو منسوخ کیا گیا ہے، اس وقت ایسا ہوتا تھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دیکر عدت میں رجعت کا اختیار رکھتا تھا،خواہ سومرتبہ طلاق دیدے، جب اس شکل میں عورتوں کے لئے مشقت کا پہلو تھا تو اللہ سبحانہ وتعالی نے اسے محدود کر دیا'' (ابن کثیر)۔

ابن کثیرؒ نے ابن ابی حاتم اور عبد بن حمید وغیرہ متعدد طرق سے یہ روایت نقل کی ہے: ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ! قرآن مجید کی آیت" فامساك بمعروف أو تسريح باحسان " کے بارے میں کیا ارشاد ہے،اس میں تیسری طلاق کا ذکر کہاں ہے؟،آپ ﷺ نے فرمایا تسریح باحسان تیسری طلاق کا ذکر ہے۔

جو شخص بھی قرآن مجید کی اس آیت پر معمولی بھی غور کرے گا،اس کو معلوہوگا کہ تیسری طلاق اس آیت میں مذکور ہے،اور بات یہ کہی جارہی ہے کہ دوطلاق دینے کے بعد انسان کو رجعت کرنے کا اختیار نہیں ہے،اگر یہ دودے چکا ہے تو اب یہ آخری حد تھی،تیسری طلاق دینے سے پہلے ہر طرح ہر پہلو پر غور کرلے،تیسری طلاق کے بعد اب یہ شخص اپنے اختیار کی آخری حد کو ختم کر چکا ہے،ابن کثیر نے حضرت ابن عباس کی حدیث ذکر کی ہے،فرماتے ہیں کہ: جب انسان اپنی بیوی کو دوطلاقیں دیدے تو چاہئے کہ تیسری کے بارے میں اللہ تعالی سے ڈرے،اب یا تو اچھی طرح اس کو بیوی بنا کر رکھے ،اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، یا اسے خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کردے،اور اسکی معمولی سی بھی حق تلفی نہ کرے۔(ابن کثیر)

طلاق کو تین کے عدد میں محصور کرنے کی وجہ

کی وجہ: طلاق کو تین کے عدد میں محصور کر کے اسلام نے بہت سے ایسے دروازے بند کر دئے جن کے ذریعہ عورتوں پر ظلم کی شکل نکل سکتی تھی، یا اس کے امکانات تھے ،تین طلاق اسلامی نظام معاشرت کا نقص نہیں بلکہ ایک حکیمانہ قانون ہے، اب اگر اسلام کے متبعین اسے نہ سمجھیں یا ناسمجھ لوگ اس کا غلط استعمال کریں تو یہ ان کی کوتاہ نظری ہے،ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ابن جریر طبری اور ابن ابی حاتم کے حوالے سے ایک روایت ذکر کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ناراض ہو کر کہا: میں تمہیں نہ تو کبھی طلاق دے کے چھوڑوں گا ،نہ بیوی کی حیثیت سے رکھوں گا، بلکہ ہمیشہ معلق بنا کر رکھوں گا، بیوی نے کہا وہ کیسے؟ کہنے لگا کہ میں طلاق دے دوں گا ،جب عدت ختم ہونے کے قریب ہوگی ، رجعت کروں گا ، پھر طلاق دوں گا ،اسی طرح سے کرتا رہوں گا ، نہ چھوڑوں گا اور نہ ہی تمہیں بیوی کی طرح رکھوں گا،اس خاتون نے آنحضرت ﷺ سے جا کر عرض کیا،تو یہ آیت نازل ہوئی "الطلاق مرتان" طلاق کا اختیار ایک مرد کو غیر محدود نہیں دیا گیا ہے، بلکہ معاشرتی وازدواجی مشکلات کے علاج کے لئے یہ آخری تدبیر کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے، اس کو اختیار کرنے کے بعد مزید غور وفکر کے ذریعہ زندگی

میں درستی واتفاق پیدا کرنے کے لئے دومرتبہ سوچنے کا موقع ہے، دو مرتبہ کے بعد یہ موقع بھی ختم ہوجاتا ہے، تاکہ عورت ہمیشہ ایک ہی شخص کے ذریعہ مظلومیت کے شکنجے میں نہ رہے، تین طلاق اس کے لئے ظلم نہیں، بلکہ بعض لوگ ممکن تھا کہ اس نظام کو (Follow) نہ کریں اور عورت پر ظلم کرتے رہیں، تین طلاق نے اس ظلم کی راہ کو بند کیا ہے۔

تین طلاق اور اسلام کا نقطۂ نظر : اب ایک مسئلہ یہ ہے کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاق اسلام کی نظر میں کیا ہیں، اس مسئلہ کا ایک پہلو اختلافی ہے کہ فقہی لحاظ سے اگر ایک مجلس میں تین طلاق دی گئی ہیں تو کیا وہ واقع ہوتی ہیں یا نہیں، اس بارے میں مجھے یہاں تفصیل نہیں ذکر کرنا ہے اور نہ ہی اس کے دلائل کا جائزہ ذکر کرنا ہے، اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، جمہور علماء وفقہاء کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں اور علماء اہل حدیث کے یہاں ایک مجلس کی تین طلاق حکم کے لحاظ سے ایک ہی ہوتی ہیں، یہ اختلاف مشہور اور معرکۃ الآراء اختلاف ہے۔

اس مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر ایک مجلس میں تین طلاق دی جائیں تو اس کے بارے میں شریعت اسلامی کا نظریہ کیا ہے، ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ طلاق کا اسلامی تصور اور اس کو اختیار کرنے کی صحیح ترتیب کیا ہے، اب اگر کوئی شخص اپنی ناواقفیت میں یا اپنے عناد وسرکشی میں اس کا لحاظ نہ کرتے ہوئے ایک ہی مجلس میں تین طلاق دے ڈالتا ہے، تو یہ اس کا سخت ترین جرم اور شریعت کی میزان میں گناہ ہے، اس کی شناعت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ عہد نبوی میں بعض حضرات نے تین طلاق ایک ساتھ دی تھیں تو آنحضرت ﷺ سخت ناراض ہوئے، اور ایسے عتاب آمیز کلمات ارشاد فرمائے جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوجائیں، امام نسائی نے محمود بن لبید کی روایت ذکر فرمائی ہے "عن محمود بن لبید قال : أخبر رسول الله عن رجل طلق امراته ثلاث تطليقات جمعا فقام غضبان ثم قال:أيلعب بكتاب الله و انا بين اظهركم، حتى قام رجل وقال : يا رسول الله لا أقتله" محمود بن لبید سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ ایک شخص نے بیوی کو ایک ساتھ تین طلاق دی ہیں، آپ ﷺ شدید غصہ میں کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اللہ کی کتاب کے ساتھ میرے سامنے کھلواڑ کیا جائے گا (اس کو دیکھ کر) ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا: اللہ کے رسول! اجازت ہو تو میں اس کو قتل کردوں۔

اس روایت میں تین طلاق پر آنحضرت ﷺ کا غضبناک ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ کوئی عام بات نہیں بلکہ جرم عظیم ہے جس کو کتاب اللہ سے اور شریعت اسلامی سے کھلواڑ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، فقہ کی کتابوں میں عام طور پر اس کو بدعت یا مکروہ طلاق کہا گیا ہے، بدعت ومکروہ کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ یہ کوئی معمولی جرم ہے بلکہ یہ تو صرف فقہی تعبیرات ہیں جن کا زیادہ سے زیادہ مطلب یہ کہ وہ طلاق جو اسلام کے حکم کے خلاف دی گئی ہو، یا وہ طلاق جو حدیث میں مذکور طریقہ کے خلاف ہو، ورنہ اپنے جرم وگناہ ہونے کے لحاظ سے طلاق ثلاثہ کی خطرناکی اس درجہ کی ہے جس کی شدت احادیث میں مذکور الفاظ سے محسوس کی جاسکتی ہے، بعض فقہاء نے اس کے لئے حرام کا لفظ اختیار فرمایا ہے، وہ بہ ظاہر اس کے جرم کی سنگینی کو بتانے کے لئے زیادہ اقرب ہے، فقہ مالکی کی مشہور کتاب "الشرح الصغیر" میں ہے "والبدعی اما مکروہ واما حرام کما قال"

فقہ اسلامی میں مخالف سنت طلاق کی ایک قسم یہ بھی ذکر کی گئی ہے کہ طلاق اس طرح دی جائے جس میں عورت کا زمانۂ عدت طویل ہوجائے، یعنی ایام ماہوار (monthly period) میں طلاق دی جائے یا اسی طرح اس طہر اور پاکی کے ایام میں طلاق دی جائے جس میں شوہر نے میاں بیوی کے تعلقات قائم کئے ہوں، ظاہر ہے کہ اس سے بھی عدت کے طویل ہونے کا خدشہ وامکان ہے کہ اگر خدانخواستہ اس عمل سے بیوی (pregnant) ہوگئی تو عدت بہت طویل ہوجائے گی، اسلام نظام رحمت ہے، اس نے اسی لئے

یہ حکیمانہ فیصلہ کیا کہ " فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ "عورتوں کو ان کی عدت کے ایام کا لحاظ کرتے ہوئے طلاق دو، تاکہ ان کی عدت کا زمانہ مختصر سے مختصر ہو، طویل نہ ہو اس میں عورتوں کا خیال رکھا گیا ہے، کون کہتا ہے کہ اسلام نے ظلم و نا انصافی کی ہے یا نظام طلاق سے عورتوں پر ظلم کیا ہے، ظلم تو ناواقفیت کی وجہ سے ہم کرتے ہیں۔

طلاق ثلاثہ کیوں واقع ہوتی ہیں : تین طلاق ایک ہوتی ہیں یا تین یہ ایک فقہی اختلاف ہے، میں فی الحال اس مضمون پر گفتگو نہیں کروں گا، صرف آخر میں یہ وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ جب تین طلاق مکروہ یا بدعت وحرام ہیں تو کیوں واقع ہوتی ہیں؟ اسلام ان کا کیوں اعتبار کرتا ہے؟ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہر چیز کی تاثیر ہوتی ہے، ہر سبب کا منطقی و معقولی نتیجہ ہوتا ہے، جب وہ چیز اختیار کی جاتی ہے وہ سبب اختیار کیا جاتا ہے تو نتیجہ برآمد ہوتا ہے، زنا حرام ہے مگر کوئی شخص کرلے تو اس سے حمل ٹھہر سکتا ہے، محض اس وجہ سے کہ زنا حرام ہے اس لئے اس کے نتائج برآمد نہیں ہوں گے، یہ غیر معقول بات ہے، قتل کرنا حرام ہے مگر اس کا حرام ہونا کسی کی جان کو محفوظ نہیں کرسکتا ہے، طلاق ثلاثہ حرام ہے، اس لئے ہے کہ اس میں سنت میں مذکور طریقہ کی مخالفت اور اسلام کے معاشرتی نظام سے بغاوت ہے، مگر اس لئے واقع ہوتی ہے کہ وہ ایک نشتر ہے جب چلایا جائے گا تو رشتوں کی مضبوط رسی کٹ کر رہے گی، یہ جب محسوسات اور طبعی چیزوں میں ناممکن ہے کہ چھری چلے اور نسل نہ تڑپے، آگ لگائی جائی مگر لکڑی نہ جلے، تو پھر غیر محسوس نظام میں بھی ایسا ہونا تعجب کی بات نہیں، طلاق کا لفظ بولا جاتا ہے وہ اصول کے مطابق بولیں تب اور بے اصولی و بے قاعدگی کے ساتھ بولیں تب، اس کا اثر مرتب ہوتا ہے۔

طلاق عورت کیوں نہیں دے سکتی: عورت کی نافرمانی اور اس کے ''نشوز'' کے وقت تمام اصلاحی تدبیروں سے مایوس ہونے کے بعد علیحدگی کے لئے مرد جو قدم اٹھاتا ہے، فیصلہ کرتا ہے، اس کی علیحدگی کے اس فیصلہ کا نام اصلا طلاق Divorse ہے، یہ حق صرف مردوں کو دیا گیا ہے، اس لئے کہ وہ گھر کی اس ریاست کے ذمہ دار ہیں، ان میں سنجیدگی، قوت برداشت، غور وفکر، اور نتائج پر سوچنے کی صلاحیت عورتوں کی بہ نسبت زیادہ ہوتی ہے، اس کے برخلاف عورتوں میں جلد بازی، تیزی، بات بات پر فورا غصہ ہونا، جذباتیت، جیسی صفات ہوتی ہیں، ان میں قوت برداشت، انجام ونتائج پر سنجیدگی سے غور کی صلاحیت نہیں ہوتی، اس پر موجودہ زمانہ میں طبی تحقیقات آچکی ہیں، عورتوں اور مردوں کی نفسیات پر مستقل کتابیں موجود ہیں، اگر طلاق کا اختیار عورتوں کو ہوتا، تو ان کی جذباتیت وجلد بازی کی وجہ سے معاشرتی نظام کا استحکام باقی نہ رہتا، اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام نے اگر عورتیں نافرمان ہوں تو صرف مردوں کو حق دیا کہ وہ ان کو طلاق دے کر گھر کی اس ریاست کو جب چاہیں ختم کردیں، اگر اس کے برعکس عورتوں کو شکایت ہے، ان کے شوہر ان پر ظلم کرتے ہیں، تو کیا وہ صرف صبر سے کام لیکر مردوں کے ظلم پر خاموش رہ کر اپنی زندگی کی آگ میں جھلستی رہیں، ایسا نہیں ہے، اسلام ان کو بے سہارا زندگی کے منجدھار میں ایسے ہی نہیں چھوڑتا، بلکہ ان کے لئے اسلامی حکومت ،وانتظامیہ، عدالت ودارلقضا کی خدمات فراہم کرتا ہے، تاکہ وہ اس مسئلہ کو حل کریں، اگر واقعی اس کا شوہر ظلم کرتا ہے تو اس کو ظلم سے نجات دلائیں، اگر شوہر اپنے ظلم سے باز نہیں آتا تو بیوی کو اس کے شکنجہ ظلم میں نہ چھوڑیں، بلکہ خلع کرانے بعد اس عورت کو آزاد کرادیں۔

اسلام کسی کو ایسے نہیں چھوڑتا، اس نے ہر ایک کے لئے عدل وانصاف کی میزان قائم کی ہے، اگر گھر کی اس ریاست میں بدنظمی واختلال عورت کی جانب سے ہے، تو ایک باختیار، اور ذمہ دار کی جانب سے اس رشتہ کو ختم کرنے کا شرعی نظام اور تعبیر طلاق ہے، اور اگر ظلم وبدنظمی، ناانصافی مرد کی جانب سے ہے تو رشتہ ازدواج کو ایک نظام وقضا کے ذریعہ ختم کرنے کے ضابطہ کا نام ''خلع'' ہے، اسلام نے نہ تو کسی پر ظلم کیا ہے، اور نہ ہی کسی کی حق تلفی کی ہے، اس لئے کہ وہ خدائے رب السماوات والارض کا حکیمانہ نظام وقانون ہے۔

☆☆☆

❑ نقطۂ نظر

عالمی میڈیا کے ۹۰ فیصد حصے پر صرف چھ کمپنیاں قابض

اشرف علی بستوی

گزشتہ دنوں ''عالمی میڈیا پر کنٹرول کس کا'' کے عنوان پر ایک سروے منظرعام پر آیا ہے۔ جس میں دنیا بھر میں میڈیا پر براہ راست کنٹرول کرنے والی کمپنیوں اور ان کے مالکان کے بارے میں تفصیلات دی گئی ہیں۔ رپورٹ میں پیش کیے گئے اعداد وشمار چونکانے والے ہیں۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ عالمی میڈیا کے 90 فیصد حصے پر اس وقت یہودی قابض ہیں جس میں خبر رساں ادارے، اخبارات، الیکٹرانک میڈیا، بین الاقوامی سطح کے جرائد کی ملکیت یہودیوں کے پاس ہے اور یہ ادارے دنیا بھر کو مواد فراہم کراتے ہیں۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ دنیا کے 90 فیصد میڈیا پر صرف 6 کمپنیوں کی اجارہ داری ہے اور یہ سبھی کمپنیاں یہودیوں کی ہیں۔ سب سے بڑی کمپنی والٹ ڈزنی ہے۔ کمپنی کے پاس سات بڑے نیوز پیپرس، تین میگزین اور بڑا کیبل نیٹ ورک ہے، جس کے چودہ ملین صارف ہیں۔ دوسری بڑی کمپنی ٹائم وارنر جس کی ملکیت ایچ بی او امریکہ کا سب سے بڑا پے ٹی وی کیبل نیٹ ورک ہے۔ اس کے علاوہ امریکہ کی سب سے بڑی میگزین ٹائم میگزین بھی اس کی ملکیت ہے۔ یہ کمپنی خالصتاً یہودیوں کی ہے۔ تیسری کمپنی وائی کام ہے۔ پیراماؤنٹ پکچرس اور ایم ٹی وی اِس کی ملکیت ہے۔ یہ لوگ نہ صرف میڈیا کو کنٹرول کر رہے ہیں بلکہ انسانی ذہنوں کو تبدیل کرنے کا کام انجام دے رہے ہیں۔ بچوں کے کارٹون چینل کے ذریعے اپنے مخصوص انداز میں ہر گھر میں داخل ہو گئے ہیں۔ بچوں، بڑوں، خواتین، ہر ایک کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔

گویا اب انھیں کسی سے براہ راست لڑنے کی بھی ضرورت باقی نہیں رہ گئی ہے۔ چوتھی کمپنی نیوز کارپوریشن ہے جس کی ملکیت فاکس ٹی وی چینل ہے۔ جو اپنی رائے اپنے ناظرین پر تھوپنے کا کام انجام دیتا ہے۔ ڈریم ورکس یہ میڈیا کمپنی یہودیوں کی بالادستی کو دکھانے کا کام کرتی ہے،

پرنٹ میڈیا کا عالم یہ ہے کہ امریکہ میں 90 فیصد اشاعتی ادارے یہودی چلا رہے ہیں۔ روزانہ 6 کروڑ اخبارات فروخت ہوتے ہیں، جس میں 75 فیصد حصہ یہودیوں کا ہے۔ امریکہ کے تین بڑے اخبار نیویارک ٹائمز، وال اسٹریٹ جرنل اور واشنگٹن پوسٹ یہودیوں کی ملکیت ہے۔ اِس کے علاوہ ٹائم میگزین اور نیوز ویک یہ دونوں بھی ان ہی کی ملکیت ہے۔ یہ وہ ادارے ہیں جن سے دنیا بھر کی میڈیا انڈسٹری بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر وابستہ ہے۔ اور اِس طرح یہ لوگ پوری دنیا کی میڈیا پر براہ راست قابض ہو چکے ہیں۔

اِس کے جواب میں مسلم دنیا کے پاس کیا ہے؟ جب کہ اِن کے پاس یہودیوں سے دس گنا زیادہ دولت ہے، یہ دولت مند حکمراں اپنا سارا سرمایہ فضولیات پر صرف کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں زور آزمائی کر رہے ہیں۔ سب سے اونچا کلاک ٹاور، مشرق وسطیٰ کا سب سے بڑا ہوٹل سعودی عرب میں ہے، سب سے اونچی عمارت برج خلیفہ دوبئی میں ہے اور یہیں پر سب سے بڑا سات کلومیٹر لمبا شاپنگ مال بھی تعمیر ہو رہا ہے۔ گویا غیر ضروری چیزوں پر دولت کی بربادی ہو رہی ہے اور دوسری جانب ایک چھوٹی سی قوم رات دن اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں مصروف عمل ہے۔

بلکہ دنیا بھر میں مواد کی فراہمی کا واحد ذریعہ یہودی ادارے ہیں اور ہم اُن سے یہ امید لگاتے ہیں کہ حقائق پر مبنی خبریں اور تجزیے ہم تک پہنچائیں، ایسا سوچنا کارِ عبث کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ جو لوگ رات دن یہودی سازش کی رٹ لگاتے ہیں، انھیں ہوش کب آئے گا۔ مخالفین تو عملی اقدامات کرنے میں اپنی توانائی لگا رہے ہیں اور ان کا مقابلہ کرنے والے محض یہودی سازش کے الفاظ دہرائے جا رہے ہیں۔

☆☆☆

❑ نقد ونظر

عمل صالح کے تعلق سے راشد شاز کا خطرناک مغالطہ

محمد غزالی ندوی

قرآن کریم میں بار بار ''عمل صالح'' (نیک کام) کرنے کے لیے کہا گیا ہے، جو لوگ ایمان لائیں اور اعمال صالحہ کریں، ان کو زمین میں اقتدار عطا کیے جانے کی خوش خبری بھی سنائی گئی ہے، اس حوالہ سے شاز صاحب کا ماننا ہے کہ آج مسلمانوں کے زوال اور دوسری قوموں کی ترقی کا راز یہ ہے کہ وہ اعمال صالحہ میں ہم مسلمانوں سے بہت آگے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں: ''جہاں دوسری قوموں نے عمل صالح کے عالمی پروجیکٹ پر اپنا قائدانہ تفوق برقرار رکھا ان کی پیش قدمی مسلسل جاری رہی، وہیں ہم عمل صالح سے یکسر کٹ کر رہ گئے''۔ (راشد شاز، اسلام: مسلم ذہن کی تشکیل جدید ص، ۵۰)

مزید لکھتے ہیں: ''وہ انصاف پرور خدا جو ذرے ذرے کے حساب کا قائل ہو، جو ہر اچھے اور بُرے کام پر اجر کا وعدہ کرتا ہو ﴿فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ﴾ بھلا وہ اس بات کو کیسے گوارا کرسکتا ہے کہ اعمال صالحہ میں مشغول قومیں تو حاشیہ پر رہیں اور خیالی دنیا میں نیک عمل کے دعویدار اقوام عالم کی قیادت پر متمکن ہوجائیں''۔ (راشد شاز، اسلام: مسلم ذہن کی تشکیل جدید ص، ۵۰)

دوسری اقوام سے ان کی مراد مغربی اقوام ہیں یہ بات ان کی اس عبارت سے مترشح ہے جس میں انہوں نے بعض لوگوں کی تعریف کرنے کے بعد مشرقی دنیا پر تبصرہ کیا ہے ''عمل صالح کے اس عالمی مشن میں مشرق سے افرادی قوت گاہے بگاہے ضرور ملتی رہی ہے'' (اسلام: مسلم ذہن کی تشکیل جدید، ص، ۴۹) ان مذکورہ بالا عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ مغربی قومیں اگر عروج کے دن دیکھ رہی ہیں تو وجہ صرف ان کے اعمال صالحہ ہیں۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ اعمال صالحہ میں اگر کوئی سب سے پیچھے ہے تو وہ مغربی اقوام ہیں۔ اس کے شواہد ابھی ہم پیش کریں گے۔ جو قوم عمل صالح میں سب سے پیچھے ہو، اس کو عمل صالح میں سب سے آگے اسی وقت ثابت کیا جاسکتا ہے جب عمل صالح کی تعریف اور اس کا مطلب ہی بدل دیا جائے اور یہی کام راشد شاز صاحب نے کیا ہے۔ تمام مفسرین، محدثین، مؤرخین اور علوم اسلامیہ کے ماہرین کے بر خلاف انہوں نے یہ نظریہ ایجاد کیا ہے کہ اعمال صالحہ سے مراد نماز روزہ حج اور ذکر وغیرہ نہیں ہیں؛ بل کہ اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جن سے نوع انسانی کو عام فائدہ پہنچے۔ پھر انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آج مغربی اقوام اپنی ایجادات کے ذریعہ نوع انسانی کو عام فائدہ پہنچا رہی ہیں۔ اس معاملہ میں ان کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔ اس طرح وہ اعمال صالحہ میں سب سے آگے ہیں۔ اسی لیے وہ اقوام عالم کی قیادت پر متمکن ہیں۔ شاز صاحب کا یہ پورا نظریہ کئی مغالطوں پر مبنی ہے، جن میں سے ہر ایک کی وضاحت اور ازالہ ضروری ہے۔

عمل صالح کے تعلق سے پہلا مغالطہ:

شاز صاحب نے پہلا مغالطہ یہ دیا ہے کہ قرآن میں بہت سی

جگہوں پر ﴿وعملوا الصالحات﴾ کے بعد ﴿واقاموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ﴾ کو الگ ذکر کیا گیا ہے، جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عمل صالح نماز روزے سے ہٹ کر کوئی چیز ہے۔ وہ لکھتے ہیں: قرآن مجید کی مختلف آیتوں کے تقابلی مطالعہ سے یہ بات بہت آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ عمل صالح دراصل نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور اوراد وظائف جیسی شخصی عبادتوں سے بہت آگے کی چیز ہے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات واقاموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ لھم اجرھم عند ربھم﴾ نماز اور زکوٰۃ سے علیحدہ عمل صالح کا یہ مطالبہ جو قرآن اہل ایمان سے کرتا ہے اور جس حوالے سے یہ بشارت سنائی جاتی ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے ان کے رب کے پاس اجر موجود ہے، آخر ہے کیا؟''۔

ازالہ: شاز صاحب کا یہ مغالطہ قرآن کے اسلوب اور عربی زبان کے مبادیات سے ناواقفیت کی بنا پر ہے، یہ عربی زبان کا اسلوب ہے کہ پہلے کسی عام چیز کا تذکرہ کیا جاتا ہے پھر اس کے کسی خاص جزء کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے، قرآن سے اس کی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ مثلاً سورۂ رحمٰن میں ہے ﴿فیھما فاکھۃ ونخل ورمان﴾ ''دونوں جنتوں میں پھل ہوں گے اور کھجور وانار''۔ اس آیت کو پڑھ کر کوئی صاحب عقل انسان یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ ''فاکھۃ'' (پھل) کے بعد کھجور اور انار کا علیحدہ تذکرہ بتاتا ہے کہ کھجور اور انار پھل میں شامل نہیں ہیں؛ بل کہ ایک دیہاتی انسان بھی یہ کہے گا کہ ''فاکھۃ'' کے بعد کھجور اور انار کو الگ سے بیان کرنے کا مقصد خصوصیت کے ساتھ جنت میں ان پھلوں کی موجودگی بتانا ہے نہ کہ نخل ورمان کو پھلوں کی فہرست سے الگ کرنا۔ عرب فطرتاً کھجور کی طرف راغب ہوتے ہیں اور تمام انسانوں کو عموماً انار بہت مرغوب ہوتا ہے اس لیے ان دو پھلوں کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھ کیا گیا ہے، اسی طرح قرآنی آیات ﴿من کان عدوا للہ وملئکتہ ورسلہ وجبریل ومیکل فان اللہ عدو للکافرین﴾ ''جو اللہ، اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں، اور جبریل و میکائیل کا دشمن ہو تو اللہ بھی ایسے کافروں کا دشمن ہے۔ اس آیت میں پہلے تمام فرشتوں کا تذکرہ کیا گیا پھر خصوصیت کے ساتھ حضرت جبریلؑ اور میکائیلؑ کا نام لیا گیا، اس آیت کو پڑھ کر کوئی صاحب عقل یہ نہیں کہہ سکتا کہ ملائکہ کے بعد الگ سے حضرت جبریل ومیکائیل کا تذکرہ بتاتا ہے کہ وہ فرشتے نہیں ہیں؛ جب کہ شاز صاحب کی منطق کو اگر استعمال کیا جائے تو یہی مطلب نکلے گا، ظاہر ہے کہ یہ غلط ہے اور ہر صاحب عقل یہی کہے گا کہ ان دونوں فرشتوں کا الگ سے تذکرہ ان کی عظمت اور فرشتوں کے درمیان ان کے خصوصی مقام کو بیان کرتا ہے اور بس۔ خلاصہ یہ کہ آیات قرآنیہ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ قرآن میں بسا اوقات ایک عام چیز کو ذکر کرکے اس کے کسی خاص جزء کو الگ سے ذکر کیا جاتا ہے، جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے واضح ہے۔ بعینہٖ یہی چیز ﴿ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات و آقاموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃلھم آجرھم عند ربھم﴾ میں ہوئی ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نماز اور زکوٰۃ جیسی عبادات نہ صرف اعمال صالحہ میں شامل ہیں؛ بل کہ اعمال صالحہ انہیں میں خاص مقام حاصل ہیں، اسی وجہ سے اعمال صالحہ کی تاکید کے بعد خصوصیت کے ساتھ ان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

شاز صاحب کا دوسرا مغالطہ:

اعمال صالحہ کو نماز روزے سے علیحدہ کرنے کے بعد شاز صاحب نے دوسرا مغالطہ یہ دیا ہے کہ اعمال صالحہ سے مراد عوامی فلاح و بہبود کے کام ہیں۔ وہ یہ سوال قائم کرکے کہ عمل صالح جس کا مطالبہ کیا گیا ہے، وہ ہے کیا؟ جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''قرآن کی اصطلاح میں عمل صالح ان تمام کاموں کو محیط ہے جو خدا کے نظام کائنات سے ہم آہنگ ہو اور جس کے نتیجے میں نوع انسانی کو عام فائدہ پہنچے، شاہراہ عام سے کانٹا ہٹانے اور اسے عام انسانوں کی سہولت کے لیے صاف رکھنے سے لے کر نوع انسانی کو رشد وہدایت سے ہمکنار کرنا، انہیں توہمات وسرکشی سے نجات دلانا اور ان کے لیے خدا کی عطا کردہ نعمتوں سے متمتع ہونے کے لیے

یکساں مواقع فراہم کرنا یہ سب کچھ عمل صالح کے دائرہ میں آتا ہے۔(راشد شاز، اسلام: مسلم ذہن کی تشکیل جدید ص، ۴۸)

ازالہ: شاز صاحب نے اعمال صالحہ کو عوامی فلاح و بہبود کے کاموں میں منحصر کر دیا لیکن اس بات کی کوئی دلیل نہیں دی، وہ اس سلسلہ میں قرآن کی کوئی آیت پیش نہ کر سکے، اس لیے کہ پورے قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں ہے جو اعمال صالحہ کو اس طرح کے کاموں میں منحصر کرتی ہو، پھر بھلا کوئی کہاں سے ایسی آیت پیش کر سکتا ہے۔ایسی صورت میں بغیر کسی دلیل کے یہ کہنا کہ قرآن کی اصطلاح میں عمل صالح ان تمام کاموں کو محیط ہے، جس کے نتیجہ میں نوع انسانی کو عام فائدہ پہنچے کتنی بڑی جسارت اور کتنی بڑی تحریف معنوی ہے۔

رہا مسئلہ اس کا کہ" عمل صالح" کسے کہتے ہیں تو اس کو سمجھنے کے لیے کسی فلسفہ کی ضرورت نہیں، صالح عربی میں اچھے اور نیک کو کہتے ہیں۔" رجل صالح" سے مراد اچھا اور نیک آدمی ہوتا ہے۔اس طرح" عمل صالح" کا مطلب نیک اور اچھا کام ہوا۔ ہر وہ کام جو اچھا اور نیک ہو اس میں داخل ہے۔اس میں نماز وروزہ، زکوٰۃ وحج بھی شامل ہیں، اور جہاد، درس وتدریس، ذکر وتلاوت قرآنی بھی۔اسی طرح رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک، ماں باپ کی فرمانبرداری، مسافروں اور اجنبیوں کا خیال، بیواؤں اور یتیموں کی پرورش اور رفاہ عامہ کے تمام کام اعمال صالحہ کے زمرہ میں آتے ہیں۔احادیث میں کسی کے ساتھ دو میٹھے بول بولنا بھی صدقہ شمار کیا گیا ہے"الکلمة الطيبة صدقة" بلکہ اپنے بھائی کے ساتھ مسکرا کر ملنا بھی ایسا نیکی کا کام شمار کیا گیا ہے جس کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے"لا تحقرن من المعروف شيئاً ولو ان تلقى اخاك بوجه طلق" خلاصہ یہ کہ ہر اچھا کام خواہ وہ شخصی عبادات سے تعلق رکھتا ہو یا دوسروں کی فلاح و بہبود سے، عمل صالح ہے، اس میں وہ ایجادات بھی شامل ہیں جو نوع انسانی کو فائدہ پہونچانے کے لیے کی گئی ہوں۔

عمل صالح کی اس تعریف کے بعد ایک اہم نکتے پر غور کرنا ضروری ہے کہ دوسری بہت سی چیزوں کی طرح اعمال صالحہ میں بھی درجہ بندی ہے۔تمام اعمال صالحہ کا مطالبہ یکساں درجہ میں نہیں ہے۔بعض کا کرنا لازم ہے اور ان کے چھوڑنے پر سخت پکڑ ہے جیسے نماز اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک، اس کے برعکس بعض اعمال کا کرنا اختیاری ہے کہ ان کا کرنا تو ثواب کی بات ہے لیکن چھوڑنے پر کوئی پکڑ بھی نہیں ہے، جیسے آج کے دور میں راہ گیروں کے لیے اپنے گھر کے باہر کولر لگانا۔

اعمال صالحہ کی اس درجہ بندی کو سمجھنا اس لیے ضروری ہے کہ ایسا نہ ہو کہ ہم لازمی اعمال صالحہ کو چھوڑ کر صرف اختیاری اعمال صالحہ میں مشغول رہیں اور اپنے آپ کو یا ایسے کرنے والے کو خدا کا فرمانبردار تصور کرتے رہیں۔جو انسان ایسے اعمال صالحہ پر توجہ نہ دے جو خدا کی طرف سے ضروری ہیں اور صرف ان اعمال صالحہ کو کرے جن کے کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے وہ خدا کا فرمانبردار اور اس کی بشارت کا مستحق نہیں ہوسکتا۔

اس مضمون پر قرآن کی کئی آیات سے استدلال کیا جاسکتا ہے، مثلاً سورۂ فاطر میں ہے﴿والذين كفروا لهم نار جهنم لايقضى عليهم فيموتوا ولا يخفف عنهم من عذابها كذلك نجزى كل كفور وهم يصطرخون فيها ربنا اخرجنا نعمل صالحا غير الذى كنا نعمل﴾ غور کیا جاسکتا ہے کہ کفار جب جہنم میں چیخ چیخ کر یہ کہہ رہے ہوں گے کہ ہمارے رب ہم کو نکال دیجئے، ہم اب نیک عمل کریں گے تو ان کی مراد عمل صالح سے یہاں پر کوئی ایجادات کرنا یا دوسرا کوئی اختیاری عمل صالح کرنا نہیں ہوگا؛ بل کہ ان کی مراد یہی ہوگی کہ اے اللہ! ایک مرتبہ واپس بھیج دیجیے۔اب ہم تیری بلا شرکت غیرے عبادت کریں گے، نماز پڑھیں گے، تیرے تمام احکامات پر عمل کریں گے، زنا نہیں کریں گے، شراب نہیں پئیں گے، اسی طرح سورۂ سجدہ میں ہے کہ کفار کہیں گے﴿ربنا أبصرنا وسمعنا فارجعنا نعمل صالحا انا موقنون﴾ ان تمام آیات سے یہ بات سمجھ میں

آتی ہے کہ اعمال صالحہ میں اصل مطلوب جس کی جواب دہی ہونی ہے اور جس پر استخلاف فی الارض کا وعدہ ہے، فرائض اور خدا کے وہ احکام ہیں جو اس نے اپنے بندوں پر ضروری اور لازم کئے ہیں، ان کے ساتھ دوسرے اختیاری اعمال صالحہ سونے پر سہاگہ کا کام ضرور کرتے ہیں لیکن فرائض کو چھوڑ کر صرف اختیاری اعمال صالحہ سے کوئی خدا کی رحمت اور بشارت کا مستحق نہیں ہوسکتا۔

اس نکتہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے اہل مغرب کے حالات پر غور کیجئے جن کو اعمال صالحہ میں غرق ثابت کرنے کی شاز صاحب نے کوشش کی ہے، اس میں شک نہیں کہ بہت سی مفید ایجادات کے ذریعے انہوں نے پوری انسانیت پر احسان کیا ہے۔ بلا شبہ یہ عمل صالح ہے؛ لیکن یہاں تین پہلوؤں پر غور کرنا ضروری ہے، پہلی چیز یہ ہے کہ ''انہوں نے ایسے جنگی اسلحے، ہوائی جہاز، بم اور زہریلی گیس بھی ایجاد کی ہے جن کے ذریعے سے نہ صرف ایک علاقہ یا ایک ملک یا ایک برصغیر بلکہ پورا براعظم چند دنوں میں راکھ کا ڈھیر کیا جاسکتا ہے۔ ان ایجادات کا تصور ہی اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ وہ فطرتاً ظالم اور طبعاً سفاک ہیں'' (اسلام میں مذہبی رواداری، ص ۲۸۸، ۲۸۹)

ثانیاً اس پہلو پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ انسانوں پر ان کے احسانات زیادہ ہیں یا ظلم؟ یہاں ان ممالک کا تصور کیجئے جنہیں انہوں نے غلام بنایا اور وہاں کے لاکھوں لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، براعظم ایشیا سے براعظم افریقہ و یورپ تک کتنے ہی ممالک ان کی خوں خواری اور درندگی کی نذر ہوگئے، نکلتے نکلتے بھی وہ ان ممالک میں فساد و اختلاف کی ایسی بیج بو گئے کہ جدھر دیکھیے انسانیت کا خون بہہ رہا ہے۔ آج بھی مشرقی ممالک میں وہ اپنی سیاسی ریشہ دوانیوں کے ذریعے قوت نافذہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کسی بھی ملک میں وہ جس فریق کو چاہیں سربلند کردیں اور کرسی حکومت تک پہونچا دیں اور جسے چاہیں کرسی سے اتار دیں۔ آہ یہ کیسی غلامی ہے! انکی سفاکیت کے نتیجے میں پہلی جنگ عظیم میں ایک کروڑ ستّر لاکھ لوگ مارے گئے اور دو کروڑ لوگ زخمی ہوئے جب کہ دوسری جنگ عظیم میں پانچ کروڑ لوگ مارے گئے۔ ہیروشیما میں ایٹم بم گرا کر امریکہ نے تقریباً ستّر ہزار باشندوں کو موت کی نیند سلا دیا جب کہ تقریبا اتنے ہی بری طرح زخمی ہوئے ''ویت نام میں امریکہ نے تیس سال جنگ کی، اس مدت میں امریکی فضائیہ نے اٹھارہ لاکھ ننانوے ہزار چھ سو ارسٹھ حملے کیے، سرسٹھ لاکھ ستائیس ہزار چوراسی ٹن بم گرائے، وہاں کے نباتات کو تباہ کرنے کے لیے ایک کروڑ نوے لاکھ گیلن کے تباہ کن مادے پھینکے، پینتیس لاکھ ایکڑ زمین پر زہریلی دوائیں چھڑکی گئیں، جن کا زہر خیال ہے کہ ایک سو برس تک کام کرتا رہے گا، ایک کروڑ افراد بے گھر ہوئے، ان کے بچے یتیم ہوئے، پندرہ لاکھ ساٹھ ہزار شہری مجروح ہوئے، اور چھتیس لاکھ باسٹھ ہزار آدمی مارے گئے''۔ (اسلام میں مذہبی رواداری، ص ۲۹۲)

ظلموں کی ایک طویل فہرست کے ہوتے ہوئے ان کی ایجادات کے جس احسان کی دہائی شاز صاحب نے دی ہے اس پر حضرت موسیٰؑ کا یہ جواب یاد آتا ہے ﴿وتلک نعمة تمنها علی أن عبدت بنی اسرائیل﴾ ''اور یہ احسان ہے جو تم مجھے جتا رہے ہو جس کے عوض تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے''۔

ثالثاً اس پہلو پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ٹھیک ہے انہوں نے بہت سی مفید ایجادات کر کے عمل صالح انجام دیا لیکن کیا ان کے لیے تمام فرائض معاف کردیے گئے اور بشمول شرک تمام گناہ اور حرام کام حلال کر دیے گئے۔ اپنی تثلیث، زنا، شراب خوری، جوا، ماں باپ کی نافرمانی اور دوسرے بے شمار گناہوں کے ساتھ کیا صرف اپنی ایجادات کے ذریعے وہ عمل صالح میں قائدانہ تفوق کے سزاوار ہوسکتے ہیں؟؟

☆☆☆

J:\2016\Dec_16\aakhri wahi.jpg not found.

❑ تعارف وتبصرہ

آخری وحی
اردو ترجمانی کے جدید قالب میں

از : مولانا سید سلمان حسینی ندوی دامت برکاتہم

تبصرہ نگار

ڈاکٹر محمد اکرم ندوی (اسلامک سینٹر، آکسفورڈ، لندن)

تمہید:

بہ بند صوفی وملا اسیری
حیات از حکمت قرآں نگیری
زآیاتش ترا کارے جزیں نیست
سہ از یاسین او آسان بگیری

ہمارے ''بہ بند صوفی وملا اسیری'' معاشرہ میں قرآن کی حکمت سے حیات اخذ کرنے کی کوشش ندرت وشذوذ بلکہ عدم کے درجہ میں ہے، قرآن کا مقصد مردوں کے ایصال ثواب کے لئے ''قرآن خوانی'' ہے، یا اپنی جاہلانہ ومتعصبانہ آراء کے لئے اس صحیفہ علم وحکمت، اور کتاب ایمان ویقین کی بعض آیات سے بے محل وبے موقع استدلال و استشہاد ہے، تفسیر کی نئی کتابیں طبع ہوتی رہتی ہیں، قرآن کے ترجمے وقتاً فوقتاً منظر عام پر آتے رہتے ہیں، اور قرآنیات کی دوسری شاخوں کے متعلق بھی نشر اشاعت کا سلسلہ جاری ہے، لیکن بالعموم ان کی حیثیت اسی قصہ پارینہ کی بازگشت کی ہے، یا انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام لکھوانے کی، یہ شعر ذرا سخت ہے، لیکن قرآن کریم کے سلسلہ میں ہمارے رویہ کی ایک حد تک صحیح عکاسی کرنے میں معاون:

مکتب و ملا و اسرار کتاب
کور مادر زاد ونور آفتاب

اسی لئے مدتوں سے کسی نئے ترجمہ یا تفسیر کے دیکھنے کی ہمت نہیں ہوتی، گزشتہ سال استاذ محترم مولانا سید سلمان الحسینی الندوی مدظلہ العالی کے ترجمہ قرآن کریم کا ہدیہ بیش قیمت موصول ہوا، لیکن ذہن کے نہاں خانہ میں راسخ اس خیال کے اثر اور بعض وقتی مصروفیات کی وجہ سے ورق گردانی کی نوبت نہیں آئی، ابھی چند ہفتوں پہلے کسی وجہ سے طبیعت میں شدت سے اصرار پیدا ہوا کہ دیکھا جائے کہ یہ کوشش کس طرح قرآن کریم کے دوسرے ترجموں اور تفسیروں سے مختلف ہے، جب اس ترجمہ کو پڑھا تو اندازہ ہوا:

نہیں گفتار ہی عالم سے نرالی اس کی
طرز رفتار الگ، بندش دستار جدا

اور اپنی بدگمانی پر شدید افسوس ہوا کہ ہدایت ربانی کی ترجمانی کا یہ انقلابی کام اور اس کے ساتھ ایک از سر بستہ یا ''قول معاد ومکرر'' کا سلوک، یہ چند صفحات جو آپ کی خدمت میں پیش ہیں اسی یافت کا تعارف ہیں، اور اپنی کوتاہی کے تدارک کی سعی۔

استاذ محترم شاید اس عہد کے دوسرے ابوالکلام آزاد ہیں جن کے علمی تفوق، فقیہانہ بصیرت، محدثانہ ذوق تحقیق وانتقاد، اور زبان شناسی کو ان کی دوسری گوناگوں عظیم صلاحیتوں نے پس پردہ ڈال دیا ہے، اور آپ کو ''ای روشنی طبع تو بر من بلاشدی'' کے مقولہ کا مصداق

بنا دیا ہے۔ استاد محترم کو بھی اس کا احساس ہے، اسی لئے گزشتہ کئی سالوں سے رمضان مبارک میں اعتکاف کی سنت پر عمل شروع کر دیا ہے، اعتکاف کے دوران دنیا سے آنکھیں بند کر کے عبادات کے ساتھ تعلیم و تربیت، تصنیف و تالیف پر پوری توجہ مرکوز کرتے ہیں، اور اپنے علمی کاموں اور منصوبوں کی تکمیل کی کوشش کرتے ہیں، پیش نظر ترجمہ قرآن کریم بھی رمضان مبارک کے ایک اعتکاف کی برکت ہے، اس برکت کو دیکھتے ہوئے یہ کہنے کا حوصلہ ہو رہا ہے کہ عام مسلمانوں کے لئے رمضان کے دس دنوں کا اعتکاف سنت ہے، اور استاد محترم کے لئے دس سالہ اعتکاف واجب۔ کاش کہ کوئی اصولی یا متکلم اس کا قائل ہوتا کہ ''امر ادنی'' بھی وجوب پر دلالت کر سکتا ہے، چونکہ اب تک کسی عالم کا یہ مسلک نہیں رہا، اور نہ آئندہ اس کا امکان ہے کہ کوئی یہ رائے قائم کرنے کی جرأت کر سکے، اس لئے ہم اپنی آرزو کو ''خاک شدہ'' سمجھتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں:

تحریک ندوۃ العلماء اور قرآن کریم:

ہندوستان کے عام نصاب تعلیم میں صدیوں سے علوم آلیہ (نحو وصرف و بلاغت، ومنطق و فلسفہ وکلام) کا غلبہ رہا ہے، شیخ نظام الدین بدایونی (وفات ۷۲۵ھ) کے عہد میں اس کے بعد بھی قرآن کریم سے متعلق صرف الکشاف (مصنفہ ابوالقاسم جار اللہ الزمخشری وفات ۵۳۸ھ) کا کچھ حصہ داخل نصاب تھا، بعد کی صدیوں میں کہیں کہیں تفسیر البیضاوی (مصنفہ قاضی ناصر الدین البیضاوی وفات ۶۸۵ھ) اور تفسیر المدارک (مصنفہ ابوالبرکات النسفی وفات ۷۱۰ھ) کے کچھ اجزاء پڑھائے جاتے تھے، درس نظامی میں قرآن کی حیثیت محض تبرک کی ہے، اور تفسیر الجلالین کے دورہ کو کافی سمجھا گیا، اس نصاب میں قرآن کریم سے بے اعتنائی کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں، اسی لئے جن لوگوں نے اس نصاب کے مطابق تعلیم حاصل کی ہے ان کے اندر قرآن کریم سے براہ راست ہدایت حاصل کرنے اور کتاب الٰہی میں تدبر کا رجحان بہت کم رہا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء نے نصاب تعلیم کی سمت میں جو عملی قدم اٹھایا اس کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ قرآن کریم کی منظم اور مفصل تعلیم دی جائے، اور طلبہ کے اندر اس ربانی پیغام میں تدبر و تفکر کا ملکہ پیدا کیا جائے، ساتھ ہی نصاب میں اصول تفسیر وعلوم القرآن کے موضوعات بھی شامل کئے گئے تاکہ طلبہ کتاب الٰہی کی تاریخ، تفسیر و تاویل کے اصول اور قرآن کریم سے متعلق اہم علوم سے واقف ہو سکیں، اور کتاب الٰہی کے متعلق پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کا دلائل کی روشنی میں مقابلہ کر سکیں، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بانیان ومخرجین ندوہ کے یہاں تدبر قرآن کریم کو خاص مقام حاصل ہوا، اس کی مثالیں علامہ شبلی، علامہ سید سلیمان ندوی، حضرت مولانا علی میاں وغیرہ رحمہم اللہ کی تحریروں میں کثرت سے ہیں، اور پھر قرآن کریم سے متعلق خصوصی کتابیں تحریر میں آئیں، جیسے علامہ سید سلیمان ندوی کی ارض القرآن، شیخ التفسیر مولانا اویس نگرامی کی مرتب کردہ التفسیر القیم، اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی وغیرہ۔

اسی طرح ندوہ میں جن اساتذہ نے قرآن کریم کی تدریس کی ذمہ داری سنبھالی وہ قرآنیات میں سند سمجھے جاتے تھے، جیسے شیخ التفسیر مولانا اویس نگرامی، حضرت مولانا علی میاں علیہ الرحمۃ، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا شہباز اصلاحی، اور مولانا عارف سنبھلی ندوی وغیرہ، ندوہ کی خوش قسمتی تھی کہ اس عہد کے ماہر قرآن اور امام تدبر مولانا حمید الدین فراہی نے یہاں کچھ وقت گزارا، اور ندوہ کے علماء وفضلاء کا براہ راست ان سے یا ان کے شاگردوں اور تصنیفات سے ہمیشہ تعلق رہا ہے، اور قرآن کے دوسرے دو ماہر امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا عبدالماجد دریابادی اگرچہ باضابطہ ندوی نہ ہوں، لیکن اس مکتب فکر سے ان کے تعلق میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔

تحریک ندوہ نے وقت کے تقاضوں کے پیش نظر ان مسائل پر توجہ مرکوز کی جو خواص اور تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے زیادہ اہم تھے، ندوی علماء ومحققین نے مستشرقین کے اعتراضات کا علمی وناقدانہ جائزہ لیا، اور جدید ذہن کے مطابق قرآنیات، سیرت، تاریخ کلام وادب کے

موضوعات پر نہایت قیمتی سرمایہ فراہم کیا، حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے ندوہ نے عوام المسلمین سے نہ ربط کا اہتمام کیا اور نہ ان کی رہنمائی کی طرف کوئی خاص توجہ کی، اسی وجہ سے ماضی میں ندوی فضلاء کے اندر قرآن کریم کے اردو ترجمہ کا خیال نہیں پیدا ہوا، اور یہ ایک ایسا قرض تھا جس سے ندوہ شروع سے گراں بار رہا ہے، اس قرض کی ادائیگی کا شرف استاد محترم مولانا سید سلمان الحسینی الندوی کے لئے مقدر تھا، اور بالآخر قرعہ فال آپ کے نام پڑا۔

قرآن کریم سے استاد محترم کا تعلق:

استاد محترم نے تقریبا تیرہ سال کی عمر میں تجوید کے ساتھ قرآن کریم کو حفظ کیا، اس کے بعد سے آپ کا تعلق اس کتاب سے صرف نماز تراویح تک محدود نہیں رہا، بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں آپ نے مرجع بنایا، اور مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے اصل اصول سمجھا، آپ کے قرآن پڑھنے کا انداز اتنا موثر ہے کہ سامعین کے اندر یہ جذبہ وتاثر منتقل ہوجاتا ہے، عربی زبان سے ناواقف حضرات پر بھی آپ کی قراءت سے کیفیت طاری ہوجاتی ہے، اور

رب ورقاء هتوف فی الضحی
ذات شجو صدحت فی فنن
ذکر الفا ودهر اصالحا
فبکت حزنا وهاجت حزنی
فبکائی ربما ارقها
وبکاها ربما ارقنی
ولقد تشکو فما أفهمها
ولقد اشکو فما تفهمنی
غیر انی بالجوی اعرفها
وهی ایضا بالجوی تعرفنی

کا منظر سامنے آجاتا ہے، لوگوں کو آپ کی قرأت پر وجد میں آتے دیکھا گیا ہے، مجھے آج تک وہ حلاوت یاد ہے جو آپ کے پیچھے نماز پڑھنے میں حاصل ہوتی تھی، آپ کی تلاوت سے فضا پر ایک حسین سناٹا چھا جاتا ہے، اور کلام الٰہی پڑھتے وقت آپ کی آواز کے زیر وبم سے ساری کائنات ہم آہنگ ہوتی دکھائی دیتی ہے، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شجر وحجر اور پوری فضا قرآن کی طرف کان لگائے ہوئے ہے، حاصل یہ ہے کہ آپ کی قرأت سن کر "یا جبال أوبی معه والطیر" کی تفسیر سمجھ میں آگئی۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء اور جامعہ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ میں دیگر علوم وفنون کے ساتھ قرآن کریم وعلوم قرآن کی تعلیم حاصل کرنے اور عام کتب تفسیر وغیرہ کے ذاتی مطالعہ کے بعد سنہ ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء سے استاد محترم نے ندوہ میں تدریس کا باقاعدہ آغاز کیا، حدیث شریف اگرچہ آپ کا اختصاص ہے، لیکن پھر بھی ندوہ میں شروع سے قرآن کریم کی تدریس بھی آپ کے ذمہ رہی، ہندوستان واپسی پر آپ نے انجمن شباب اسلام کی تجدید کی، اس کی دعوتی، تحریکی اور اشاعتی سرگرمیوں کو ترقی دی، اور ایک اہم کارنامہ یہ انجام دیا کہ شہر لکھنؤ میں عوامی درس قرآن کا آغاز کیا، مسجد خواص وغیرہ میں آپ کے دروس اس زمانہ میں خاص کشش کے ہوتے تھے اور ندوہ اور شہر لکھنؤ کی دیگر مجالس میں ان کا چرچا رہتا تھا، ہر شخص ان دروس کی افادیت کا قائل تھا، مزید برآں آپ نے شہر کی مختلف مجالس ومساجد میں درس قرآن کے حلقے قائم کرنے کی ایک مہم چلائی:

غالبًا یہ سنہ ۱۹۸۲ء کی بات ہے کہ استاد محترم نے ندوہ کے اندر شباب اسلام کی ذمہ داری راقم کو سونپی، ایک سال تک اس ذمہ داری کو نبھانے کے بعد اپنی بعض مشغولیات کی وجہ سے برادر مکرم اسحاق حسینی مرحوم کو یہ ذمہ داری منتقل کردی جن کے دور میں انجمن نے کافی ترقی کی، انجمن سے تعلق کے دوران میں اور میرے دوسرے ساتھی برادران مکرم آفتاب عالم ندوی، ضیاء الدین اعظمی، وزیر احمد اعظمی نے تعلیم یافتہ طبقہ سے رابطہ قائم کرنے کی سمت میں پیش قدمی کی، ہم لوگ مختلف اسکولوں اور کالجوں کا دورہ کرتے، اساتذہ وطلبہ سے ملاقاتیں کرتے اور خطاب بھی کرتے، انہیں ایام میں استاد محترم نے ڈالی گنج کی ایک مسجد میں میرا درس قرآن مقرر کردیا، جس سے مجھے

بے انتہا فائدہ ہوا، اور اس وقت سے اب تک درس قرآن میرا معمول ہے، اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سمجھ عطا کرے، اس کی ہدایتوں پر عمل کرنے کی توفیق دے، اور استاد محترم کو جزائے خیر دے۔

قرآن کریم کی ترجمانی:

قرآن کریم تمام انسانوں کے لئے ہر آمیزش سے پاک مقدس آسمانی ہدایت نامہ ہے، یہ وہ طاقت ور اور زندگی سے لبریز کتاب ہے جس کے ذریعہ رب العالمین اپنے بندوں سے بلا واسطہ خطاب کرتا ہے، ان پر اپنی رحمتوں اور انعامات کے دروازے کھولتا ہے، انہیں احکام دیتا ہے، محرمات سے منع کرتا ہے، برگزیدہ بندوں کی زندگیوں کا عملی نمونہ پیش کر کے ان کی پیروی پر آمادہ کرتا ہے، نافرمانوں اور سرکشوں کے واقعات سنا کر انہیں متنبہ کرتا ہے، اسی لئے کتاب کو معجز ہونے کے باوجود سادہ اور قابل فہم بنایا، کیوں کہ اگر ہدایت مشکل اور ناقابل فہم ہو تو اس کی افادیت باقی نہ رہے گی۔

اس ہدایت کو عام کرنے کے لئے سب سے زیادہ اہم چیز یہ ہے کہ اس چیز کو راہ سے الگ کیا جائے جو قرآن سے توجہ ہٹانے والی ہو، اور بحیثیت سرچشمہ ہدایت اس کی طرف براہ راست توجہ منعطف کی جائے، تاکہ بندہ اس کتاب میں اپنے رب کو پالے، اور اس سے ہم کلام ہو:

درسخن مخفی منم چوں بوئے گل اندر گلاب
ہر کہ دیدن میل دار دور سخن بیند مرا

خدا کے بندوں کو قرآن کریم سے براہ راست مربوط کرنا ایک مبارک لیکن نازک عمل ہے، اور اس کی نزاکت اور دشواریوں کو اچھی طرح سمجھے بغیر اس سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں، خاص طور سے مسلمانوں بلکہ انسانوں کی اکثریت جن کی زبان عربی نہیں، انہیں اس کتاب سے کس طرح جوڑا جائے، قرآن کا ترجمہ اس طرح پیش کرنا کہ مترجم بندوں اور ان کے رب کے پیغام کے درمیان حائل نہ ہو مشکل ہے، خیر القرون کے بعد بنی نوع انسانی تک قرآن کا پیغام پہنچانے کی دو شکلیں رہی ہیں:

۱۔ تفسیر:

عام طور سے سب سے زیادہ کامیاب طریقہ تفسیر کو سمجھا جاتا رہا ہے، تفسیر کی علمی و تاریخی اہمیت کے اعتراف کے باوجود اس حقیقت سے چشم پوشی ممکن نہیں کہ تفسیر کے ذریعہ قرآن کو سمجھنے کا مطلب بندوں اور ان کے پروردگار کے درمیان واسطہ قائم کرنا ہے، اور صحیح بات یہ ہے کہ قرآن کریم کا نزول اس لئے نہیں ہوا تھا کہ اس کی تفسیریں لکھی جائیں، تفسیر کی متداول کتابیں اس ایمانی بیج کو نشو ونما دینے پر توجہ مرکوز کرتیں جو اللہ تعالیٰ نے ہر نفس کی فطرت میں ودیعت کیا ہے، اس کے بجائے وہ قرآن کو اپنے پیشہ ورانہ بلکہ بسا اوقات مسلکی اور فرقہ ورانہ رجحانات و مفادات کی تشریح کے لئے استعمال کرتی ہیں، مثلاً تفسیر کی بعض کتابیں کلامی و عقائدی فلسفیانہ مباحث سے متعلق اپنی پوزیشن کی وضاحت کے لئے قرآن کو وسیلہ بناتی ہیں، جبکہ یہ پوزیشن اسی شکل میں قرآن سے پہلے اور قرآن کے باہر پائی جاتی ہے، اس کے لئے قرآن کے نزول کی کیا ضرورت؟ اس طرح توجہ قرآن اور ہدایت سے ہٹ جاتی ہے، اور ان تفسیروں کے کلامی و فلسفیانہ مباحث فکر و نظر اور مذاکرہ و مناقشہ کا مرکز بن جاتے ہیں، یہ تفسیریں اپنے قاری و سامع کو بحیثیت مومن و مسلم نہیں، بلکہ ایک خاص مسلک و مکتب فکر کے متبع کی حیثیت سے مخاطب کرتی ہیں۔

بعض مفسرین کی دلچسپی قرآن میں مذکور شخصیات و واقعات کی تاریخی پس منظر کی تحقیق سے ہوتی ہے، حالانکہ یہ وہ معلومات ہیں جو قرآن سے پہلے اور قرآن کے باہر موجود ہیں، اس طرح کی تفسیر کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والے ہدایت اور ان معلومات سے رو گردانی کر لیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لئے کافی سمجھی ہیں، اور اچھا خاصا وقت اہل کتاب اور دیگر اقوام کے اختلافات و مجادلات کی نذر ہو جاتا ہے، اس طرح کے مسائل ان اہل ایمان کے لئے براہ راست کسی افادیت کے حامل نہیں جو یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ کس طرح اللہ اور اس کے پیغمبر کے بارے میں سوچیں اور

بات کریں، اور کس طرح ان کی فرمانبرداری کر کے ان کی احکام اور نمونہ کو اپنی زندگی میں لاسکیں:

تقول نساء الحی تطمع أن تری
محاسن لیلی من بداء المطامع

محلّہ کی عورتوں کا کہنا ہے کہ تمہیں لیلی کے محاسن دیکھنے کا سودائے خام ہے، اس طمع خام کی بیماری سے تمہیں موت آجائے۔

وکیف تری لیلی بعین تری بها
سواها وما طهر تها بالمدامع

تم اس آنکھ سے کس طرح لیلی کا دیدار کر سکتے ہو جس آنکھ سے دوسری عورتوں کو دیکھتے رہتے ہو، اور حال یہ ہے کہ تم نے اسے آنسوؤں سے پاک صاف بھی نہیں کیا۔

وتلتذ منها بالحدیث وقد جری
حدیث سواها فی خروق المسامع

تم اس (لیلی) سے بات کر کے لطف اندوز ہونا چاہتے ہو جبکہ دوسری عورتوں کی باتیں تمہارے کان کے سوراخ میں داخل ہو رہی ہیں۔

۲۔ ترجمہ:

اردو زبان میں عام طور سے قرآنی ترجمے لفظ بہ لفظ (word for word) ترجمے کے زمرے میں آتے ہیں، ہدایت اور قرآن کریم سے براہ راست تعلق قائم کرنے کے لئے یہ ترجمے مفید نہیں، لفظ بہ لفظ ترجمے قانونی دستاویز، یا ٹکنیکل مواد کی منتقلی کے لئے مناسب ہیں، لیکن ایک ایسے کلام کے لئے قطعا غیر موزوں ہیں جو معانی کے ساتھ بلند احساسات وجذبات، عمیق کیفیات وحالات، پاکیزہ افکار وخیالات اور بے شمار لفظی ومعنوی محاسن کا جامع ہو:

خوبی ہمیں کرشمہ وناز و خرام نیست
بسیار شیوہ است بتاں راکہ نام نیست

قرآن کریم کے حوالہ سے لفظ بہ لفظ ترجموں کا صرف یہ فائدہ ہوسکتا ہے کہ قرآن کے ماہرین اور عربی داں حضرات یہ جانچ سکیں کہ مترجم کی عربی دانی کس قدر قابل قبول ہے، اور اس کا ترجمہ اصل الفاظ سے کس حد تک قریب ہے، اس طرح کے ترجموں میں مفہوم کی ادائیگی اور مخاطب وسامع کو پیغام رسانی کی اہمیت ثانوی ہوتی ہے، بلکہ اس طرح کے ترجمے کلام الٰہی کی شان وشوکت، اثر اندازی کو ناپید کر دیتے ہیں، اور قاری وسامع کے ذہن میں سوال پیدا ہونے لگتا ہے کہ کیا خدا اس سوکھی اور پھیکی زبان میں گفتگو کرتا ہے۔

عام قاری کے لئے لفظ بہ لفظ ترجمہ ہرگز مفید نہیں، ہر زبان میں الفاظ کے معانی کے حدود مختلف ہوتے ہیں، ایک لفظ کا ایک ہی ترجمہ ہر جگہ صحیح نہیں ہوگا۔ استاد محترم مقدمہ کتاب میں اس طرح کے ترجموں کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''جو حضرات حرفی ترجمہ، یا تحت اللفظ ترجمے کا اہتمام کرتے رہے، وہ قرآنی الفاظ کی ڈکشنری تیار کرتے رہے کہ ہر لفظ کے نیچے اپنی زبان کا ایک لفظ رکھ دیا، اور وہ بھی اس کا ترجمہ نہیں ہے، کیوں کہ قرآن کے ایک ایک لفظ کے متعدد اور وسیع معانی ہوتے ہیں، دوسری زبان کے ایک لفظ سے اس کا جامع اور وسیع مفہوم ادا نہیں ہوتا، قرآن کے مخاطبین الفاظ کے جن معانی کا ادراک رکھتے تھے، اور اس کا ان پر جو اثر مرتب ہوتا تھا، وہ اس ترجمے سے بالکل ادا نہیں ہوتا، جو دوسری زبان کی تنگ دامانی کی وجہ سے پیش آتا ہے''۔ (۱/۵۴)

ان دونوں طریقوں کی افادیت کے بعض پہلوؤں میں کلام نہیں، اس مقصد کے لئے یہ دونوں کوششیں بہت کم سودمند ہیں جس کے لئے قرآن نازل ہوا ہے، اور اس طرح کی تفسیریں اور ترجمے پڑھنے سے حقائق قرآنی سے پردہ نہیں اٹھتا، اور قرآن کریم کے نزول کے وقت جو اثرات اس کے حاملین اولین پر مرتب ہوئے تھے بعد کے مخاطب کے لئے ان کی حیثیت ایک داستان سرائی سے زیادہ نہیں ہوتی:

برچہرہ حقیقت اگر ماند پردۂ
جرم نگاہ دیدۂ صورت پرست ماست

ضرورت اس کی ہے کہ جس قدر ممکن ہو قرآن سے براہ راست تعلق قائم کیا جائے، اور اس کے معانی اور تاثرات کو اپنے اندر سمویا جائے، وہ لوگ جو قرآن کی زبان سے واقف نہیں ان کے

لئے قرآن کریم سے اس بلا واسطہ تعلق قائم کرنے کی یہی ایک شکل ہے کہ وہ کسی ایسے قابل اعتماد ترجمہ کا سہارا لیں جو مفہوم اور تاثرات کو اسی طرح منتقل کر سکے جس طرح مترجم خود محسوس کرتا ہے۔

زیر تعارف ترجمہ قرآن:

چونکہ انگلینڈ میں ایک عرصہ سے انگریزی زبان میں قرآن کے دروس کا اہتمام ہے، اور اس وادی کی دشواریوں کا ایک حد تک اندازہ، اس لئے جیسا شروع میں عرض کیا گیا پیش نظر ترجمہ قرآن کا اسی نقطہ نظر سے مطالعہ کیا کہ کہیں یہ بھی روایتی تراجم میں ایک اضافہ تو نہیں، لیکن جب اس ترجمہ کو پڑھا، اور اس کے امتیازات پر نظر ڈالی یقین بڑھتا گیا کہ استاد محترم کی سوچ مجتہدانہ ہے، اور ساتھ ہی جراتمندانہ:

ازان کہ پیروی خلق گمرہی آرد
نمی رویم براہے کہ کاروان رفتست

فکری جرأت کے نمونے ہر زمانہ میں مل جاتے ہیں، لیکن عملی و اخلاقی جرأت پیغمبروں اور ان کے پیغام کی روح کو سمجھنے والوں اور پھر جذبہ صادق کے ساتھ اس پیغام کو دوسروں تک پہنچانے والوں کے حصہ میں آتی ہے، آج کے دور کے جامد، مقلدانہ بلکہ متعصبانہ ماحول میں عام روش سے ہٹ کر ایک ایسا ترجمہ قرآن پیش کرنا جو اصل پیغام کا سچا حامل ہو، اور مذکورہ بالا دونوں قسم کے نقائص سے پاک ہو صرف توفیق ایزدی سے ممکن ہے۔ راقم کو اندازہ ہے کہ اس طرح کے عمل کی قیمت وقدر پہچاننے میں وقت لگتا ہے، اس لئے شاید اہل علم کے بعض حلقوں اور عوام کو اسے قبول کرنے میں تردد ہو، مترجم موصوف سے برصغیر بلکہ عام اسلام میں کون ناواقف ہوگا، اس لئے امید غالب بھی ہے کہ آپ کی شہرت اور اس ترجمہ کی انفرادیت وغیر معمولی افادیت کی وجہ سے جلد ہی یہ کام مقبول خواص وعوام ہو جائے گا:

ہوا ہے تیری خوش چشمی کا شہرہ اے صنم ہر سو
عجب کیا اڑ کے پہنچے ہند تک سرمہ کا

یہ ترجمہ ایک جذبہ اور ایک تڑپ کا نتیجہ ہے، اس کا محرک یہ یقین ہے کہ مسلمانوں کے تمام مسائل کا حل اس پیغام کو صحیح سمجھنے اور اس کی مخلصانہ پیروی میں ہے، اس ترجمہ کی اصل افادیت یہ ہے کہ جو لوگ عربی زبان سے ناواقف ہیں وہ کس طرح اس الٰہی ہدایت نامہ سے براہ راست فیض حاصل کریں۔

اس ترجمہ کا نام بھی شاید الہامی ہے یا بہ لفظ محتاط خاص توفیق خداوندی کا نتیجہ ہے، ''آخری وحی'' کے نام ہی سے قاری کے ذہن میں قرآن کی عظمت راسخ ہو جاتی ہے، اور اس کا اصل مقام واضح ہو جاتا ہے، کہ ہدایت کے لئے کسی اور طرف نگاہ نہ کرے، نہ کسی جدید وحی کا منتظر رہے، اور نہ کسی خواب، کشف، الہام، یا اجتہاد کو قرآن کا درجہ دے۔

استاد محترم نے یہ ترجمہ رمضان مبارک سنہ ۱۴۳۳ھ میں کیا، ترجمہ کی کیفیت کے متعلق فرماتے ہیں: ''حق یہ ہے کہ ترجمہ کا یہ کام رمضان المبارک کے دنوں میں صلاۃ الحاجت کے بعد روزہ کی حالت میں ایسا مسرت آگیں، سکینت آمیز، بارگاہ الٰہی میں حاضری اور ہمکلامی ومناجات کی روحانی لذتوں کے کیف، اور قرب کے وجدانی اثرات سے معمور تھا، کہ ایسا لگتا تھا کہ قلب وذہن پر ایک خاص طراوت ہو رہی ہے، اور قلم کو غیبی سہارا دیا جا رہا ہے، القاء کا دعوی تو بڑوں کی بات ہے، لیکن دل جا بجا تایید ایزدی اور توفیق ربانی کی گواہی دیتا رہا''۔ (۱/۵۰)

اس میں شک نہیں کہ استاد محترم کے اس انہماک اور کیف کے پیچھے ''شوق تو راہ می برد، درد تو زادی دھد'' کی طاقت کارفرما تھی۔

جیسا کہ عرض کیا گیا یہ ترجمہ لفظ بہ لفظ نہیں، بلکہ ایک زبان کے مفہوم کو تاثرات وکیفیات کے ساتھ دوسری زبان میں منتقل کرنے کی ایک سنجیدہ اور مخلصانہ کوشش ہے، اور استاد محترم نے اس نزاکت کو بخوبی سمجھتے ہوئے جہاں مناسب سمجھا وہاں بجائے ایک لفظ کے متعدد الفاظ کا سہارا لیا، ہر زبان مین ایسے بہت سے الفاظ ہیں کہ دوسری زبانوں میں ان کے متبادل موجود نہیں، اس طرح الفاظ کے ترجمہ کے لئے کبھی متعدد الفاظ کا سہارا لینا پڑتا ہے، ایسے موقع پر ایک لفظ کا ترجمہ دوسرے لفظ سے کرنا مفہوم کی ناقص ادائیگی ہوگی۔ استاد

محترم مقدمہ میں فرماتے ہیں: ''میں نے طے یہ کیا تھا کہ ترجمہ حرفی نہیں ہوگا، معنی خیز ہوگا، ضروری وضاحتیں بین القوسین مربوط طریقہ پر ہوتی چلی جائیں گی، تاکہ قاری کو بغیر تفسیر کی حاجت کے رواں ترجمہ سے ہی مطالب قرآنی سمجھ میں آتے چلے جائیں۔''(۱/۴۹)

اس ترجمہ کے مطالعہ کے بعد ہی اس کی خوبیاں آشکارا ہوسکتی ہیں، یہاں نمونہ کے طور پر چند مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں:

''اسم'' جس کی جمع ''اسماء'' ہے، اس کا مفہوم اردو کے لفظ ''نام'' سے زیادہ وسیع ہے، عربی زبان میں کبھی یہ لفظ نام کے مفہوم میں مستعمل ہوتا ہے، کبھی صفات وخصائص واحوال کے مفہوم میں، اور کبھی ان سارے معانی کے لئے بیک وقت مستعمل ہوتا ہے، استاد محترم نے جہاں جو ترجمہ مناسب تھا، وہی اختیار کیا، کہیں اس کا ترجمہ نام سے کیا جیسے آیت: ما تعبدون من دونه إلا أسماء سميتموها أنتم و آباؤكم (یوسف۴۰) ''تم لوگ جن کی پوجا پاٹ کرتے ہو وہ نام ہیں (حقیقت کچھ نہیں) تمہارے باپ دادوں نے یہ نام (دیوتاؤں اور دیویوں کے) تجویز کر لئے ہیں۔'' کہیں اس کا ترجمہ نام وصفات سے کیا، جیسے آیت: ولله الأسماء الحسنى فادعوه بها (اعراف۱۸۰) ''اے لوگوں اللہ کے بہترین نام اور بہترین صفات ہیں، انہیں سے اللہ کو پکارو''۔ اور کہیں اس کا ترجمہ نام، اوصاف اور خصوصیات سے کیا، جیسے: وعلم آدم الاسماء كلها (بقرۃ۳۱) ''اور آدم کو تمام چیزوں کے ناموں اور ان کے اوصاف وخصوصیات کا علم (اللہ نے) عطا فرمادیا''۔

اس ایک مثال سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مترجم نے کتنی کامیابی کے ساتھ قرآن کے مفہوم کو اردو میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے، عام مترجمین کی طرح اگر آخری دونوں آیتوں میں بھی اس لفظ کا ترجمہ صرف نام سے کرتے تو یہ تعبیر قرآنی کی ناقص ادائیگی ہوتی۔

اسی طرح لفظ ''اتقوا'' کا ترجمہ درج ذیل آیات میں الگ الگ کیا ہے، اور ہر جگہ وہی ترجمہ کیا ہے جو موقع ومحل کے مناسب ہے: اتقوا يوما لا تجزى نفس شيئا (بقرہ۴۸) ''اور اس دن (کے انجام) سے بچنے کی فکر کرو، جس میں کوئی شخص کسی دوسرے کا بدلہ نہیں دے سکے گا''۔ واتقوا الله لعلكم تفلحون (بقرہ:۱۸۹) ''اور اللہ کے حکم کا لحاظ رکھنا چاہیے تاکہ تمہیں کامیابی ہو''۔ واتقوا النار التي أعدت للكافرين (آل عمران۱۳۱) ''آگ سے بچو جسے کافروں کے لئے تیار کیا گیا ہے۔''

اردو اور دوسری انڈو یورپین زبانیں عربی سے بہت سی حیثیتوں سے مختلف ہیں، ان میں ایک اہم چیز ضمیر کا استعمال ہے، عربی زبان میں جہاں اضمار ممکن ہو وہاں اظہار عیب ہے، قرآن کریم نے عربی زبان کی اس خوبی کو معجزہ بنا دیا ہے، لیکن دوسری زبانیں اضمار کے اس بار کی متحمل نہیں، اس لئے ترجمہ میں ضمیر کی جگہ مرجع ضمیر ظاہر کرنا ضروری ہے، ورنہ عبارت گنجلک ہی نہیں بلکہ بسا اوقات غیر مفہوم ہوجائے گی، استاد محترم نے اس نزاکت کو ہر جگہ ملحوظ اور جہاں مناسب سمجھا ترجمہ میں ضمیر کا مرجع ذکر کر دیا، چند نمونے ملاحظہ ہوں:

سيقول السفهاء من الناس ما ولٰهم عن قبلتهم التي كانوا عليها (بقرہ۱۴۲) ''سفیہ ونادان لوگ کہیں گے کہ ان (مسلمانوں) کو اس قبلہ سے کس نے ہٹادیا جس کی طرف یہ رخ کررہے تھے۔'' اولئك الذين آتيناهم الكتاب والحكم والنبوة" (انعام۹۰) ''یہ وہ (عظیم شخصیات تھیں) جن کو ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی''۔ فلما قضى زيد منها وطرا زوجناكها (احزاب۳۷) ''پھر جب زیدان سے (یعنی زینب سے) فارغ ہوئے، تو ہم نے ان کی شادی آپ سے کی۔''

اس ترجمہ کی خصوصیات:

اس ترجمہ کی اس اہم خصوصیت کے علاوہ جس کا اوپر تفصیل سے جائزہ لیا گیا، دیگر خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱۔ اصل ترجمہ شروع کرنے سے پہلے مترجم نے ایک تفصیلی مقدمہ تحریر کیا ہے، جس میں قاری کا ذہن تیار کرنے اور قرآن فہمی کی راہ ہموار کرنے کے لئے بعض اہم مباحث پر روشنی

ڈالی ہے، اس مقدمہ کے مشتملات ہیں: ترجمہ قرآنی اور میری کہانی، کچھ مباحث قرآنی کی بارے میں، قرآن کی کہانی قرآن کی زبانی۔

یہ مباحث بڑے قیمتی ہیں، ترجمہ قرآن سے پہلے ان مباحث کا مطالعہ ضروری ہے، قرآن کریم کے علوم کے بیان اور قرآن فہمی کے بعض اصول کی تشریح میں استاد محترم نے محققانہ اور بیش بہا نکات پیش کئے ہیں، جو علماء کے لئے اسی قدر ضروری ہیں جس قدر عام قاری کے لئے، مثلاً شان نزول کے متعلق آپ کا مختصر بیان: ''اور سچی بات تو یہ ہے کہ شان نزول کی بے شمار روایات کے مقابلہ میں خود قرآنی بیانات، پس منظر کی مرقع نگاری، حالات کے تجزیے، اور ان پر تبصرے کے باب میں شافی وکافی ہیں۔'' (۱/۶۷) آب زر سے نہیں بلکہ خون دل سے لکھنے کے لائق اور فہم ونظر کو منور کرنے کے قابل ہے۔

اسی طرح نسخ کے متعلق علوم قرآن واصول تفسیر کی کتابوں میں مندرج قول کا خلاصہ پیش کرنے کے بعد چند سطروں میں جو بات تحریر کردی ہے وہ صفحات پر بھاری ہے، اور سالہا سال کے تفکر وتدبر کا خلاصہ، فرماتے ہیں ''ناسخ ومنسوخ اللہ کے اختیار کی بات ہے، لیکن اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ماضی کی شریعتوں میں جہاں چاہا رد وبدل فرمادیا، اور آخری شریعت کو مرحلہ وار عطا فرمایا، جو احکام جس مرحلہ میں دیئے گئے، ویسی صورتحال میں وہ احکام اسی طرح باقی رہیں گے''۔ (۱/۶۸)، اس بیان نے یہ حقیقت واضح کردی کہ پورا قرآن محکم ہے، اور اس کی ہر آیت قیامت تک کے لئے ہدایت ہے، چونکہ انسانی افراد ومعاشروں کے حالات تبدیل ہوتے رہتے ہیں اسی لئے قرآن کریم نے ان حالات کی رعایت میں احکام دیے ہیں، جب جیسے حالات اس وقت ان کے مناسب حکم۔

۲۔ دوسری خصوصیت مستقل بالذات نہیں، بلکہ اس ترجمہ کے بنیادی مقصد کے تکملہ کی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ مترجم محترم نے پوری کوشش کی ہے کہ قرآن کریم معقول اور قابل فہم (intelligible) رہے، اس کے ساتھ کسی ایسی کتاب مقدس کا سلوک نہ ہو جو الماریوں کی زینت تو بنے لیکن اس کا سمجھنا ثانوی یا غیر اہم ہوجائے، یا جس کے بارے میں یہ اعتقاد پھیلا دیا جائے کہ یہ انسانی سمجھ سے بالا ہے، اسی لیے آپ نے عام روش کے برخلاف سورہ رحمٰن کی آیت (فبأی آلاء ربکما تکذبان) میں وارد لفظ ''آلاء'' کا ترجمہ کہیں نعمتوں سے کیا اور کہیں قدرت سے، جہاں جو ترجمہ مناسب ہوا وہاں وہی ترجمہ کیا۔ عربی میں آلاء کا محل استعمال نعمت اور قدرت دونوں کو شامل ہے، روایتی انداز سے ہر جگہ نعمتوں سے اس کا ترجمہ ہر ذی عقل انسان کو کھٹکتا ہے، کیوں کہ قرآن کریم میں عذاب کے سیاق میں بھی یہ آیت وارد ہوئی ہے، بعض لوگ کھینچ تان کر عذاب کو بھی نعمت ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہاں اس فساد ذوق کی تردید کی گنجائش نہیں۔

''قرآن کریم کے ساتھ ایک قابل فہم کتاب کا سلوک کرنے کی سب سے واضح مثال سورہ سبا کی آیت ۱۴ (فلما قضینا علیه الموت مادلهم علی موته إلا دابة الأرض تأكل منسأته فلما خرتبينت الجن أن لو كانوا يعلمون الغيب ما لبثوا فی العذاب المهين) کا ترجمہ ''پھر ہم نے جب ان کی موت کا فیصلہ کیا تو ان جنوں کو ان کی موت کا پتہ اس طرح چلا کہ زمین کا ایک جانور ان کی چھڑی کھانے لگا (چھڑی گری تو وہ ڈھلک گئے اور موت کا پتہ جنوں کو دیر سے لگا) جب وہ (چھڑی کے گرنے کی وجہ سے) گر پڑے تب جنوں کے سامنے یہ بات کھل کر آ گئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو (فوراً انہیں موت کا پتہ چل جاتا اور) وہ رسوا کن عذاب میں نہ پڑے رہتے (موت کا علم ہوتے ہی بھاگ کھڑے ہوتے)۔

اس ترجمہ نے وہ گرہ کھول دی جس کی وجہ سے اس آیت کو پڑھتے ہوئے اشکال ہوتا ہے، اور قرآن کے ترجمے اور تفسیر کی کتابیں اس آیت کو مزید ناقابل فہم بنا دیتی ہیں، استاد محترم نے کتاب کے مقدمہ میں تفصیل سے اس آیت پر روشنی ڈالی ہے، اگرچہ پوری بحث نقل کرنے میں طوالت ہے لیکن اس نکتہ کی

وضاحت کے لئے ناگزیر، اس لئے نقل کرتا ہوں:

اسی طرح کا بڑا غضب مفسرین حضرت سلیمان پر کرتے گئے، جب انہوں نے (فلما قضينا عليه الموت ما دلهم على موته إلا دابة الأرض تأكل منسأته فلما خرتبينت الجن أن لو يعلمون الغيب ما لبثوا في العذاب المهين) سبا:۱۴ کا ترجمہ یہ کیا ''پھر جب ہم نے ان کی موت کا فیصلہ کر دیا تو ان کی موت کا پتہ دیمک سے چلا، جو ان کی لاٹھی کو کھاتے رہے، پھر جب وہ گری تب جنوں کے سامنے یہ بات آئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو رسوا کن سزا میں نہ پڑے رہتے، (جن کاموں میں ان کی ناپسندیدگی کے باوجود حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کو لگا رکھا تھا، انہیں چھوڑ دیتے، وہ انہیں زندہ سمجھتے رہے اور مشغول رہے)۔

اب ظاہر ہے کہ دیمک ایک لمبے وقفے کے بعد ہی لکڑی کو کھوکھلا کر سکتی ہے، کہ وہ گر پڑے، لہذا بات دنوں سے لے کر مہینوں تک چلی گئی۔

عقل عام (common sense)، روزمرہ کی تجرباتی زندگی، اور معروف انسانی معمولات، کوئی بات بھی مفسرین کے ذہن میں خلش نہ پیدا کر سکی!!!

حضرت سلیمان علیہ السلام ایک عظیم بادشاہ تھے، ان کے حشم خدم، سنتری، چوبدار سب ہی تھے، دوسری طرف (انہیں روایات کی روشنی میں) کتنی ہی بیویاں تھیں، اولادیں تھیں، وہ روزانہ دربار میں خاص وقت تک بیٹھتے ہوں گے، پھر اٹھکر استنجا، وضو سے فارغ ہوتے ہوں گے، نماز پڑھتے ہوں گے، پھر گھر تشریف لے جاتے ہوں گے، خدام، درباری، سکریٹری، دربان سب ہی لحہ لحہ ان کے اشاروں پر نظر رکھتے ہوں گے۔

یہ کیا غضب ہے کہ ایسی عظیم شخصیت کا انتقال ہو گیا، اور وہ کرسی پر لاٹھی کے سہارے ٹکا ہے، نہ کسی کو ان کے لئے پانی کی فکر ہے، نہ کھانے کی، نہ وضو کی، نہ نماز کی، نہ گھر میں بیویاں منتظر ہیں، نہ اولاد، وہ دربار میں اسی طرح پڑا ہے، نہ کوئی خادم ہے نہ دربان، نہ درباری نہ سکریٹری، اور دن پر دن گزر رہے ہیں، کون صاحب عقل اسے مان سکتا ہے پھر کیا غضب ہے کہ اسے تفسیروں میں نقل کیا جائے!!!

ساری مصیبت ''دابۃ الأرض'' کے ترجمہ نے ڈھائی ہے!!! یقیناً اس سے کوئی جانور مراد ہے جس کی وضاحت نہیں کی گئی ہے، اور بات صرف معمول کے خلاف کچھ دیر کی ہے، جس سے جنوں کے علم غیب کے دعوی، یا ان کے بارے میں لوگوں میں یہ خیال جھوٹے ثابت ہو جائیں، بات صرف اتنی سمجھانی ہے''۔(۶۰/۱-۶۱)

۳۔ اس کتاب کی ایک اہم خصوصیت سورتوں کی ابواب و فصول میں تقسیم ہے، اور قرآن کی ایک تعلیم کو دوسری سے ممیز کرنے کے لئے استاذ محترم نے ذیلی عناوین کا سہارا لیا ہے، جن سے قاری کو ہدایات سمجھنے میں مزید آسانی حاصل ہو جائے، فرماتے ہیں ''میرے لئے بہر حال ایک مربوط ترتیب سامنے آتی چلی گئی، ایک دو مجلس میں قرآن کی ۱۱۴ سورتوں کے پندرہ ابواب اور دسیوں فصلوں کے عنوانات طے پا گئے، اور پوری فہرست ابواب اور فصلوں کے ساتھ بحمد اللہ مرتب ہو گئی، یہ میرے لئے سب سے بڑی دریافت، اور سب سے بڑی معنوی فتح تھی''۔(۱/۵۰)

۴۔ تیسری خصوصیت کا ایک اہم حصہ یہ ہے کہ ان عناوین کے قائم کرنے میں مترجم نے کسی خارجی ترتیب و نظام کو تھوپنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ قرآنی ترتیب کی پوری پابندی کے ساتھ خود قرآن کریم کے داخلی موضوعات و بیانات کو ہی ایک کو دوسرے سے مربوط اور ممیّز کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ حقیقت مترجم موصوف کے اس یقین کا نتیجہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے بندوں کا تعلق اس کتاب سے براہ راست قائم کیا جائے، کسی انسانی مفروضے یا رائے کو بنیاد بنا کر قرآن کی تفسیر نہ کی جائے۔

یہ چند خصوصیات صرف اس لئے بیان کی گئی ہیں کہ قاری کو اس ترجمہ کی انفرادیت کا تھوڑا سا اندازہ ہو سکے، یہ سطریں اس کوشش کا صحیح تعارف کرنے سے قاصر ہیں، آپ اسے استاد کی عقیدت

ومحبت کہیں، یا اس کتاب کی سچی قدر دانی، اس ترجمہ کو پڑھتے وقت میری زبان پر غالب کے متعلق حالی کے یہ اشعار بے ساختہ آ گئے:

اس کو اگلوں پہ کیوں نہ دیں ترجیح
اہل انصاف غور فرمائیں
ہم نے سب کا کلام دیکھا ہے
ہے ادب شرط منہ نہ کھلوائیں
غالب نکتہ داں سے کیا نسبت
خاک کو آسماں سے کیا نسبت

قارئین سے گزارش:

اردو داں حضرات سے گزارش ہے کہ روزانہ ترجمہ کے ایک حصہ کا مطالعہ کریں، اس پر غور وفکر کریں، گھروں اور مسجدوں میں اس کے پڑھنے کا معمول بنائیں، اور یہ اعتقاد مستحکم کریں کہ کتاب الٰہی سے اپنے مسائل کی رہنمائی حاصل کرنی ہے، اور مسائل کے حل کی بھی:

خوار از مہجوری قرآن شدی
شکوہ سنج دوران شدی

اسی طرح علماء کرام سے بھی التماس ہے کہ اس ترجمہ سے اپنی قرآن فہمی میں اضافہ کریں، اس کی تبلیغ کریں، اور آخر میں قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والے تمام انسانوں سے درخواست ہے کہ:

قرآن پاک کے پاس لینے کے لئے آئیں، دینے کے لئے نہیں، جس طرح ہم اللہ کے دربار میں اس سے لینے کے لئے حاضر ہوتے ہیں، نہ کہ اسے کچھ دینے کے لئے، یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب ارسطو، ابن سینا اور ابن عربی پر نہیں نازل ہوئی، بلکہ ایک نبی امی پر نازل ہوئی، جو قرآن کریم سے لینے کے لئے بے چین رہتا، اس کی آیتوں کے نزول کے لئے ہمہ وقت منتظر رہتا، اس کا فکر مند رہتا کہ اس کا کوئی حصہ ضائع نہ ہونے پائے، آج کثرت سے یہ رجحان عام ہوتا جارہا ہے کہ لوگ اپنے وضعی علوم وفنون قرآن کریم پر مسلط کر رہے ہیں، اور گویا ہر شخص زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ میں قرآن کو اپنے علوم وفنون کا کچھ حصہ عطا کرنا چاہتا ہوں، ورنہ قرآن غیر مکمل یا ناقابل فہم ہوگا۔

اسی طرح یہ بات ذہن نشیں کر لیں کہ قرآن اس لئے نہ پڑھیں کہ پیغمبر بن جائیں، قرآن کریم انسانوں کو پیغمبر بنانے نہیں آیا، بلکہ پیغمبر کا متبع اور پیروکار بنانے آیا ہے، قرآن کریم سے وہی استفادہ معتبر ہے جس کے بعد انسان پیغمبر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قربت الٰہی حاصل کرے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اس سلسلہ میں ہمارے لئے نمونہ ورا ہنما ہیں۔

مزید برآں یہ کہ قرآن کریم کے مطالعہ کے وقت یکسوئی اور استحضار کی کیفیت پیدا کریں، اس کی آیتوں پر تدبر کریں، اس کے مقابل کسی اور تقریر وتحریر کو اہمیت نہ دیں، یکسوئی وحنیفیت کی یہ شان حاصل ہو جائے تو قرآن سے صحیح فائدہ حاصل ہوگا، اور پھر کسی اور چیز میں مزہ نہیں آئے گا:

آنکس کہ ترا شناخت جان راچہ کند
فرزندو عیال وخانمان راچہ کند
دیوانہ کنی ہر دوجہاں را بخشی
دیوانہ تو ہر دو جہاں راچہ کند

اس سنجیدہ اور مخلصانہ کوشش کے بعد یہی نہیں کہ قرآن بندہ مؤمن کی زندگی بن جائے گا، بلکہ ہر وہ لمحہ گرانبار ہوگا، جو قرآن کے بغیر گزرے:

نالہ از بھر رہائی نہ کند مرغ اسیر
خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نہ بود

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب سے متعلق استاد محترم کے اس کام کو قبولیت سے نوازے، اس کی افادیت عام کرے، اور استاد محترم کی زندگی اور علم وعمل میں برکت دے، آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

☆☆☆

❑ ادبی تنقید

(تیسری اور آخری قسط)

نغمہ و نور

ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
گوشۂ مطالعات فارسی، علی گڑھ۔

(VII)

کہاں ہے ایسا شفیق کوئی، کہاں ہے ایسا رفیق کوئی
کہ روئے غارِ حرا میں پہروں برائے امت ہمارے آقاؐ (۶۰)

.....

غارِ حرا سے پوچھ لو امت کے واسطے
رو کر دعائیں مانگتے تھے فخرِ کائنات (۹۱)

.....

غار حرا میں آپؐ خدا کی عبادت کرتے تھے۔ لیکن حرا میں رو رو کر امت کے لیے دعائیں مانگنے کی بات صرف ایک شاعرانہ خیال ہے، اس کے سوا کچھ نہیں، اس وقت تک تو آپؐ کے ذہن وخیال میں امت کا کوئی تصور ہی نہیں تھا، کیوں کہ چالیس برس کی عمر سے پہلے تو آپ بحیثیت نبی مبعوث ہی نہیں ہوئے تھے، تو حرا میں امت کی یاد میں رونے یا ہنسنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سیرت پاک کی کسی بھی مستند کتاب میں غار حرا کے اندر امت کے لیے رونے یا ہنسنے کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے اور بغیر کسی ثبوت کے کوئی بات کسی عام آدمی کی طرف منسوب کرنا بھی اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔ چہ جائیکہ نبی معصوم ﷺ کی طرف کوئی بے اصل بات منسوب کی جائے (العیاذ باللہ)

(VIII)

آپؐ نے ڈوبے سورج کو لوٹا لیا اور قمر کو بھی دو نیم فرمادیا
جانتی ہے خدائی یہ اعجاز بھی آپؐ کی انگلیوں کے اشاروں میں ہے (۸۰)

.....

شق القمر سے اور کہیں تسخیر شمس سے
ثابت ہے شان وعظمت ورفعت رسولؐ کی (۷۸)

.....

اشارے کی طاعت فلک پر بھی لازم
قمر شق ہے خورشید کی واپسی ہے (۸۷)

.....

معجزے محبوب رب کے ہیں دلیل اختیار
مہر لوٹ آیا، ہوا ٹکڑے قمر اچھا لگا (۸۹)

.....

شق القمر سے، مہر پلٹنے سے ہے عیاں
ہے بوریانشیں کے تصرف میں کائنات (۹۱)

.....

چاند ٹکڑے کر دینا، شمس کو بھی لوٹانا
شاہِ دیں نے یہ خوبی اپنے رب سے پائی ہے (۱۲۳)

.....

دو ٹکڑوں میں بٹ جاتا ہے چاند اشارہ پا کر جب
انگلی سے سورج پلٹانا ان کے لیے کب مشکل ہے (۱۲۴)

.....

چاند کے دو ٹکڑے ہوجانا
مہر پلٹنا، سوچ رہا ہوں (۱۳۱)

.....

منقولہ بالا اشعار میں بار بار شق القمر اور سورج کے لوٹانے، پلٹانے کا ذکر ہوا ہے..... شق القمر کا واقعہ ایک معجزے کے طور پر ظہور پذیر ہوا تھا، اور سیرت کی اکثر کتب میں اس کا ذکر ہے..... لیکن اس

بات کو ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ..... کسی بھی انسان (نبی) کی قدرت وطاقت یا اختیار سے کوئی بھی معجزہ وجود میں نہیں آیا، معجزے اللہ کی طرف سے اور اس کی قدرت سے نبیوں کی صداقت کی تائید کے لیے ظہور پذیر ہوا کرتے تھے تاکہ لوگ مان لیں کہ وہ نبی اپنے دعوائے نبوت میں سچے ہیں۔ خود سے معجزہ دکھانے کی طاقت یا اختیار اللہ نے کسی بھی نبی کو نہیں بخشا تھا (جی ہاں سوا لاکھ انبیاؑ کے سردار کو بھی نہیں!) نہ فلک اور شمس وقمر اور نجوم پر کسی بھی نبی کی اطاعت لازم تھی۔ نبیوں کی اطاعت صرف ان انسانوں (اور جنوں) پر واجب تھی اور ہے جو ایمان لائے یا لا رہے ہیں یا آئندہ قیامت تک توحید و رسالت پر ایمان لائیں گے۔ غیر انسانی موجودات پر خدا کے سوا کسی نبی یا کسی اور کی اطاعت نہ لازم تھی نہ ہے نہ ہوگی۔ قرآن وحدیث سے ہمارے شاعر (بلکہ شاعروں) کا ایسا کوئی دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ قرآن پاک کی شہادت کے مطابق کائنات کی تمام چیزیں صرف خدائی بندگی اور اطاعت کی پابند ہیں اور ان پر خدا کے احکام و اوامر کی بجا آوری فرض ہے، کسی غیر خدا کی .....اطات تمام مخلوقات پر لازم نہیں۔ اور یہ کون نہیں جانتا کہ نبی کا وجود بھی غیر خدا ہے۔ اب جو کوئی آپؐ کے غیر خدا ہونے کا انکار کرتا ہے، یا دونوں کو ایک مانتا ہے یا دونوں کی برابری کا قائل ہے، یا تکوینی وتخلیقی امور میں دونوں کی مشارکت کا دم بھرتا ہے، اس کو فوری طور پر تجدید ایمان کی ضرورت ہے۔

سورج کو لوٹانے پلٹانے کی جو روایت مشہور ہے وہ کچھ اس طرح ہے کہ: ''ایک دفعہ نبی کریمؐ حضرت علیؓ کے زانو پر سر رکھ کر آرام فرما رہے تھے، آفتاب ڈوب رہا تھا، اور نماز عصر کا وقت ختم ہو رہا تھا، لیکن حضرت علیؓ نے ادباً آپ کو بیدار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ جب آفتاب ڈوب گیا تو آپؐ کی آنکھ کھلی، آپؐ نے علیؓ سے دریافت فرمایا کہ تم نے عصر کی نماز پڑھی؟ حضرت علی نے عرض کیا کہ ابھی نہیں پڑھی۔ آپؐ نے دعا فرمائی، فوراً آفتاب لوٹ کر نکل آیا۔''

یہ بالکل بے اصل اور من گھڑنت روایت ہے، جو کسی رافضی نے تصنیف کر کے مسلمانوں میں پھیلا دی ہے اور اس چالاکی سے پھیلائی ہے کہ کچھ اہل سنت نے بھی ان کے فریب میں آ کر اس کو اپنی کتابوں میں نقل کر دیا ہے۔ حدیثوں میں نظر رکھنے والے علما اس کو قطعاً جھوٹی کہانی قرار دیتے ہیں..... عقلاً بھی یہ داستان جھوٹی اور من گھڑنت ہے۔ اس لیے کہ: غزوۂ احزاب کے موقع پر تمام صحابہؓ اور خود نبی کریم ﷺ کی ظہر، عصر، مغرب تینوں وقت کی نمازیں قضا ہوگئیں (ان صحابہؓ میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے) مگر کوئی، سورج یا چاند پلٹ کر نہیں آیا، اور تین چار وقت کی نمازیں بشمول حضرت علی سب صحابہؓ نے اور خود سرور عالم ﷺ نے قضا پڑھیں..... تو پھر اکیلے علیؓ کے لیے سورج کیسے پلٹ سکتا تھا؟ پھر ایک ایک صحابیؓ پانچوں وقت نماز باجماعت ادا کرنے کو کائنات کی دولت سے بڑھ کر سمجھتا تھا، قطعاً قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت علیؓ نے نبی کریمؐ کے ساتھ جماعت سے نماز عصر ادا نہ کی ہو، اور نبی اکرمؐ عصر کی نماز پڑھ کر حضرت علیؓ کے زانو پر سر رکھ کر لیٹ گیے ہوں اور سو گیے ہوں۔ جب کہ خود حدیث شریف میں یہ مضمون وارد ہے کہ عصر ومغرب کے درمیان سونے سے انسان کی عقل زائل ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

(IX)

وہ بے خبر ہیں وسیلہ جنہیں قبول نہیں
خدا کے لطف کا اس کے بنا حصول نہیں (۹۲)

.....

اس کی ہی دعا باب اثر چھوتی ہے، جس نے
آقاؐ کے وسیلے کو مدد گار بنایا (۹۵)

.....

اس دعا کو کبھی ملتا نہیں باب ایجاب
جس میں شامل نہیں ہوتا ہے وسیلہ ان کا (۱۰۶)

.....

کتنی عجیب بات ہے کہ قرآن میں جو لفظ ''وسیلہ'' وارد ہوا ہے، محقق مفسرین اور ماہرین لغات عرب کی تحریروں سے آنکھیں بند

کرکے، اس کا من مانا مطلب لوگوں میں مشہور کر دیا گیا ہے ''علمائے عاقبت نا اندیش کا ایک خاص گروہ بھی اس کے متعلق ''جہل مرکب'' میں مبتلا ہوگیا ہے، کاش یہ لوگ ''قرآن مبین'' میں استعمال شدہ لفظ ''وسیلہ'' کے سیاق وسباق پر ایماندارانہ معروضی نظر ڈالتے اور قرآن و حدیث کی من مانی تاویلات (اور معنوی تحریفات) سے گریز کرتے!

"یا یھا الذین آمنوا اتقو اللہ واتبغوا الیہ الوسیلة وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون"

اے ایمان لانے والو، خدا سے ڈرو، اور اس کا قرب تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو، تا کہ تم کو فلاح ملے)

یہ قرآن پاک کی سورۃ مائدہ کی آیت ۳۵ ہے۔ یہاں ''وسیلہ'' کا ترجمہ ''قرب'' راقم نے اپنے من سے نہیں وضع کیا ہے، بلکہ اکثر محقق مفسرین نے اس کے یہی معنی مراد لیے ہیں اور لکھتے ہیں: عصر حاضر کی معروف ومتداول ترین تفسیر ''معارف القرآن'' کے مطابق عربی لغت کے مستند امام علامہ ابن منظور، اور قرآنی الفاظ وتعبیرات کے ماہر ترین محقق علامہ راغب اصفہانی (دونوں کی تحقیقات کا خلاصہ اس طرح ہے کہ:

لفظ ''وسیلہ'' وَسْل مصدر سے مشتق ہے، جس کے معنی ملنے اور جڑنے کے ہیں، یہ لفظ سین اور صاد دونوں سے تقریباً ایک ہی معنی میں آتا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ ''وَصل'' بالصاد مطلقاً ملنے اور جوڑنے کے معنی میں ہے، اور ''وَسل'' بالسین رغبت اور محبت کے ساتھ ملنے کے لیے مستعمل ہے.....اس لیے صاد کے ساتھ وصلہ اور وصیلہ ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو دو چیزوں کے درمیان میل اور جوڑ پیدا کرے، خواہ وہ میل اور جوڑ رغبت ومحبت سے ہو یا کسی دوسری چیز سے۔ اور سین کے ساتھ لفظ وسیلہ کے معنی اس چیز کے ہیں جو کسی کو کسی دوسرے سے محبت و رغبت کے ساتھ ملا دے'' (معارف القرآن ج ۳ ص ۱۲۶)

عربی زبان کی معتبر تفاسیر میں "اتبغوا الیہ الوسیلة" کا مطلب یوں درج ہوا ہے: "تقربوا الیہ بطاعتہ والعمل بما یرضیہ" یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ حاصل کرو، اس کی فرماں برداری اور ضامندی کے کام کرکے۔ یا۔ اللہ کا قرب تلاش کرو بذریعہ ایمان وعمل صالح'' (معارف القرآن جلد سوم، ص ۱۲۷)

سر دست وسیلے کے بارے میں غلط فہمی دور کرنے لیے، اتنا لکھا جانا کافی ہے (تفصیل ان شاء اللہ پھر کسی موقع پر) اب یہ سنیے کہ ''دعا'' کے بارے میں قرآن مجید کیا کہتا ہے:

۱۔ ادعوا ربکم تضرعا وخفیة (اپنے رب کو گڑگڑا کر اور آہستہ پکارو۔) (سورۃ الاعراف آیت:۵)

۲۔ وادعوہ خوفا وطمعا (اس کو پکارو، ڈرتے ہوئے، امید کرتے ہوئے) (اعراف، آیت:۵۶)

۳۔ فادعوا اللہ مخلصین لہ الدین (پس پکارو اللہ کو، اس کے لئے عبادت کو خالص کرتے ہوئے) (سورۃ المومن، آیت ۴۱)

۵۔ وقال ربکم ادعونی استجب لکم (اور تمہارے رب نے کہا تم مجھ سے دعا کرو، میں قبول کروں گا۔ (سورۃ المومن آیت:۶۰)

۶۔ اجیب دعوۃ الداع اذا دعان (میں قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی دعا جب بھی وہ مجھے پکارے) (سورۃ البقرۃ، آیت:۱۸۶)

مندرجہ بالا آیات میں سے آیت ۱، ۲، ۳ میں خود اللہ تعالیٰ بندوں کو دعا مانگنے کے آداب بتائے ہیں کہ تضرع کے ساتھ آہستہ اور ڈرتے ہوئے، امید قبول رکھتے ہوئے، اور دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے دعا مانگو۔

آیت ۴ میں یہ حکم دیا ہے کہ مجھ سے دعا کرو، میں قبول کروں گا۔ اور۔ آیت نمبر ۵ میں بغیر کسی امر کے یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ میں دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں، جب بھی وہ مجھ سے مانگے۔

۔لیکن۔ ان تمام آیتوں میں سے کسی ایک آیت میں بھی یہ شرط نہیں لگائی گئی ہے کہ دعا کے ساتھ کسی وسیلے کی بھی ضرورت ہے..... بلکہ اللہ تعالیٰ نے قبول دعا کے لیے مسلمان ہونے کی بھی شرط نہیں

لگائی، یہ سب لوگوں کی غلط فہمی ہے۔ ایسی ہی غلط فہمی میں مشرکین عرب بھی مبتلا تھے اور آج بھی دنیا کے بہت سے لوگ مبتلا ہیں۔

(X)

عاصی بھی خلد پائیں گے، لیکن یہ شرط ہے
آقاؐ کا نام لب پہ ہو یوم الحساب میں (۶۲)

قرآن وحدیث سے کہیں ثابت نہیں کہ صرف آقاؐ کے نام لینے سے جنت مل جائے گی۔ جنت تو آقاؐ کی تعلیمات پر اور آقاؐ کی سنت پر عمل کرنے سے ہی ملے گی۔ ہاں، خدا کے احکام اور آپؐ کی سنت پر عمل کرنے اور آپؐ کے پیغام کی پیروی کرنے میں اگر کچھ کوتاہیاں کی ہوں گی تو وہ آپؐ کی شفاعت سے معاف ہوکر جنت نصیب ہوجائے گی۔

ان کے ہی عکس رخ سے عبارت ہے کائنات
تاروں میں جن کا نور ہے، خوشبو گلاب میں (۶۴)

یہ نعت نہیں، محض شاعری ہے۔ کیا سرور کائنات علیہ الصلاۃ والسلام کی ولادت سے پہلے کائنات موجود نہیں تھی؟ کیا آپؐ کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے تاروں میں روشنی اور پھولوں میں خوش بو نہیں تھی؟

رہبروں کی بھی امامت کے ہوئے ہیں حق دار
راہ پر سب کو لگانے کے لئے آپؐ آئے (۶۵)

پہلے مصرع میں شاعر نے غالباً معراج کے موقع پر مسجد اقصیٰ میں انبیاء کی امامتِ نماز کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مگر دوسرا مصرع جس انداز کا ہے، اس سے دوسرے انبیاء کی تخفیف کا پہلو بھی نکلتا ہے۔ جو صحیح اسلامی ذہن کی عکاسی نہیں کرتا۔ خود نبی کریمؐ نے بھی دوسرے انبیاء کی تخفیف سے منع فرمایا ہے۔ اس طرح کے خیالات کا اظہار آپ کی تعریف نہیں بلکہ نافرمانی کے ذیل میں آئے گا۔

شہہِ دیں کو رب قدیر نے جو بلایا خلوت ناز میں
وہ حقیقتیں بھی ہوئیں عیاں، جو نہاں تھیں پردۂ راز میں (۷۱)

.....

ہوئی کشمکش کی جو انتہا، وہیں آئی غیب سے یہ صدا
وہ ہمارے دین کا مہر ہے جو طلوع ہوگا حجاز میں (۷۱)

.....

''خلوت ناز'' خاص غزل کی اصطلاح ہے۔ میرے نزدیک نعت یا حمد میں ایسے الفاظ کا استعمال خدا کی عظمت وتقدس اور احترام رسولؐ کے منافی ہے۔

دوسرے شعر میں جس کشمکش کا ذکر ہے۔ وہ کیا چیز ہے؟ یہ کیسی کشمکش تھی؟ کب اور کہاں واقع ہوئی کس کس کے درمیان واقع ہوئی؟ یہ سب باتیں شاعر ہی بتا سکتا ہے۔

سرکارؐ نے اللہ کا جب نام لیا ہے۔
دنیا کے خداؤں نے جگر تھام لیا ہے (۷۵)

''دنیا کے خداؤں'' سے کیا مراد ہے؟ کیا مشرکینِ مکہ جن بتوں کی پوجا کرتے تھے، ان کے دل وجگر بھی ہوا کرتے تھے؟

دو میتوں کو پھر سے ہوئی زندگی نصیب
جابر کے گھر ہوئی جو ضیافت رسولؐ کی (۷۸)

یہ روایت ایجادِ بندگان میں سے ہے۔ اس ضیافت اور مردہ کے زندہ ہونے کے بیان کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اور میلاد کی کتاب میں کسی روایت کا ہونا ہرگز اس کے قابل اعتبار ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔

ان کے جلوؤں کی طلب میں رکھنا سا غر احتیاط
کھل نہ جائے سب پہ چشم دل کے محور کا پتا (۸۳)

خالص غزل کا شعر ہے۔ نعت سے اس کا کیا تعلق؟

خبر جس کے آنے کی دی ہر نبیؑ نے
وہ آیا تو سب نے کہا یہ وہی ہے (۸۶)

دونوں باتیں غلط ہیں۔ ''ہر نبی'' نہیں کچھ خاص انبیاء نے آپؐ کے آنے کی خبر دی تھی۔ اور آپؐ کی آمد پر بھی سب نے یہ نہیں کہا کہ یہ وہی ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو تمام یہود ونصاریٰ اور مشرکین عرب آپؐ سے اور آپؐ کے صحابہؓ سے طویل طویل جدال وقتال کیوں کرتے؟

امتی ہوں میں سرورِ دیں کا
سندِ مغفرت ہے یہ نسبت (۹۰)

صرف ''امتی'' ہونا کسی کی مغفرت کی ''سند'' نہیں بن سکتا، اطاعت رسول بھی شرط ہے، آپؐ کی بعثت سے لے کر قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسان اور جن آپؐ کی امت ہیں۔ لیکن

مغفرت صرف امتِ اجابت (عقیدتاً وعملاً مسلمان ہی کی ہوگی، باقی امت (امتِ دعوت) جہنم میں جائے گی۔

اہل ایماں جس گھڑی کعبے میں یکجا ہوگیے
نعرۂ تکبیر سے بت پارہ پارہ ہو گیے (۹۰)

اس بات کا کوئی تاریخی یا واقعاتی ثبوت نہیں ملتا کہ نعرہ تکبیر کو سن کر کبھی اور کہیں بھی بت پارہ پارہ ہوگیے ہوں۔ سیرت رسولؐ پر لکھی جانے والی تمام معتبر اور مستند کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر نبی کریمؐ خود اپنے دست مبارک میں ایک کمان لیے ہوئے تھے اور اس سے کونچ کونچ کر بتوں کو گرا رہے تھے۔ پھر آپؐ کے حکم پر صحابۂ کرامؓ نے سب بتوں کو توڑ پھوڑ کر کعبۃ اللہ کو بتوں سے بالکل پاک کر دیا۔

بلا کر عرش پر اک دم کے دم میں سرورِ دین کو
شب اسرا، شفیع کل کا تاج ان کو پہنایا (۹۶)

یہاں ''شفیع کل'' سے اگر شاعر نے ''کل بنی آدم'' کو مراد لیا ہے تو یہ بے دلیل بات ہے۔ آپؐ تو اپنی امت کے بھی کل عاصیوں کی شفاعت نہیں فرمائیں گے۔ حدیث میں کہ قیامت کے روز ایک جماعت آئے گی، حضورؐ اس کی طرف متوجہ ہوں گے، لیکن دربار الٰہی سے آپؐ کو حکم ہوگا کہ ان سے دور رہیے، نبی کریمؐ فرمائیں گے کہ: خدایا یہ میری امت کے لوگ ہیں۔ جواب ملے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ آپؐ کے بعد ان لوگوں نے کیا کیا بدعتیں ایجاد کی تھیں۔

نہ دیکھیں رشک سے اس مرتبے کو انبیاء کیوں کر
غلامان شہ کونین کو جو رب نے بخشا ہے (۹۶)

مراتب کی ترتیب یوں ہے:

- پیارے نبی ص افضل الخلائق ہیں۔
- آپ ﷺ کے بعد تمام دیگر انبیاء علیہم السلام کے مرتبے ہیں۔
- تمام انبیاء کے بعد، پیارے آقاؐ کے پیارے صحابہؓ کے مرتبے ہیں۔
- ان کے بعد، دوسرے انبیاء کے اصحاب کے مرتبے ہیں۔
- ان کے بعد، دوسرے انبیاء کے عام امتیوں کے رتبے ہیں۔

اب صاف ظاہر ہے کہ مذکورہ شعر کا مضمون درست نہیں ہے۔

وہ محبوب رب ہیں ان کے روضے میں ہے ایسی کشش
جس کو دیکھو اس کی خواہش روضے کی دیوانی ہے (۹۷)

کاش شاعر نے اس پر غور کیا ہوتا کہ خواہش دیوانی نہیں ہوتی، بلکہ خواہش رکھنے والا دیوانہ ہوا کرتا ہے، اور دیوانہ ہونا شریعت کی نظر میں کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے۔

سبزہ زاروں میں بے شک لہک آپؐ کی
طائروں کی زبان پر چہک آپؐ کی (۹۸)

قرآن و حدیث سے یہ مضمون ثابت نہیں، صرف شاعرانہ خیال ہے اور شاعر یہ بھول گیا ہے کہ وہ نعت لکھ رہا ہے یا حمد!

پا گیے کیفِ عجب حضرت جبریل امیں
جب کف پائے نبیؐ سے ہوئیں خوش تر آنکھیں (۱۰۰)

فرشتے لذت اور بے لذتی کے احساس سے عاری ہوتے ہیں، پھر حضرت جبریل امیں کس طرح کیف یاب ہوئے؟ جبریل کے تأثر و تلذذ کا حال شاعر کو کیسے معلوم ہوا؟ شاعر کے پاس اس کے دریافت کرنے کا کونسا ذریعہ تھا؟، اور شاعر اس وقت کہاں موجود تھا؟ .....''کفِ پائے نبیؐ سے آنکھوں کے خوشتر ہونے کا مفہوم کیا ہے یہ بھی شاعر صاحب ہی بتا سکتے ہیں۔

خدا نے عطا کی ہے معراج جس کو
وہی عرش اعظم کا مسند نشیں ہے (۱۰۱)

لفظ ''وہی'' میں ''ی'' حصر کے لیے ہوتی ہے یا تاکید کے لیے۔ جب ''آپؐ ہی'' عرش اعظم پر مسند نشیں ہیں تو پھر ''خدا'' کی حیثیت کیا رہی؟ اگر عرش اعظم پر کئی مسند فرض کر لیے جائیں، تب بھی شرک لازم آتا ہے۔ اور ''ہی'' کا معما پھر بھی حل طلب رہے گا!

اس کے در پر یہ سر مرا خم ہے
قوم کا جو رفیقِ اعظم ہے (۱۰۷)

مؤمن کا سر صرف خدا کے در پر اور خدا کے ہی سامنے خم ہونا چاہیے۔ غیر اللہ کے سامنے خم ہونا درست نہیں ہے۔

وہی محسنِ انس وجاں بھی ہیں ساغر
انہیں کا لقب راحت العاشقیں ہے (۱۰۱)

.....

عشق سرکار سے غفلت نے جنہیں ماند کیا
لاکھ پالش ہو وہ آئینے چمکتے ہی نہیں ()

.....

نبیؐ کا عشق لیے ہم تو گھر میں رہتے ہیں
مگر خیال کے طائر سفر میں رہتے ہیں (۱۱۰)

.....

وہ عشق نبیؐ میں سرشاری، وہ جوش عقیدت ہوتا ہے
عشاق جو سر ٹکراتے ہیں سرکار دوعالمؐ کے در سے (۱۱۴)

.....

سرخ رو وہی ہوگا پرسشوں کے میداں میں
جس کے دل میں اے ساغر عشق مصطفائی ہے (۱۲۳)

''راحت العاشقین'' قرآن و حدیث میں کہیں بھی آپؐ کا لقب نہیں آیا ہے۔ خدا و رسولؐ کے تعلق سے عشق، عاشق، معشوق جیسے الفاظ کا استعمال، سوء ادب کے مترادف ہے، کیوں کہ ''عشق'' بذات خود بھی کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔ بقراط اور جالینوس سے لے کر موجودہ دور کے میڈیکل محققین اور تمام سلیم العقل لوگوں کا فیصلہ یہ ہے کہ: ''عشق جس کیفیت کا نام ہے وہ پاگل پن کی بیماری کی ایک قسم ہے'' ..... پاگل ہوجانے کے بعد تو مسلمان، درجۂ اول کا مسلمان بھی نہیں رہتا، اور شریعت اس کو معذور مان کر ازراہ ترحم اپنے واجبات بھی معاف کر دیتی ہے..... ''در سے سر ٹکرانا'' بھی پاگل پن کی ایک نشانی ہی سمجھا جائے گا۔

مجھے بھی لطف سے اپنے نوازو یا رسول اللہؐ
خدا را چہرۂ انور دکھا دو یا رسول اللہؐ (۱۰۵)

یہ جس سات شعروں والی نعت کا مطلع ہے، اسکے ساتوں شعر ہی شرعی لحاظ سے نظر ثانی کے محتاج ہیں۔

پھر بھلا تیری دعاؤں میں اثر کیسے ہو
آنکھ سے اشک ندامت تو چھلکتے ہی نہیں (۱۰۸)

اس شعر کا نعت سے کیا تعلق ہے؟ شاعر صاحب ہی وضاحت فرماسکتے ہیں۔

جائز دعائیں ہوتی ہیں اپنی سبھی قبول
ان کا کرم ہے ہم پہ، یہ ان کی عطا تو ہے (۱۰۹)

دعا صرف خدا سے مانگی جاتی ہے، اور مانگی جانا چاہیے۔ کیوں کہ خدا اور صرف خدا سنتا اور قبول کرتا ہے۔ دعا قبول کرنا صرف خدا کا کام ہے۔ اس میں کسی دوسرے کا دخل ماننا یا بہ راہِ راست کسی دوسرے سے مانگنا کھلا ہوا شرک ہے۔

وہ گوشے گوشے میں ہیں کائنات کے موجود
جو نام لیوا ہیں، ان کی نظر میں رہتے ہیں (۱۱۰)

.....

محفل پہ ہو جب نکہت و انوار کی بارش
یہ سمجھو کہ سرکار یہاں آئے ہوئے ہیں (۱۲۲)

یہ بھی قطعاً غیر اسلامی اور مشرکانہ عقیدہ ہے۔ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی اور صرف خدا کی صفت ہے۔ رسول کریم ﷺ تو قیامت تک کے لیے قبر اطہر میں آرام فرما ہیں۔ آپ نہ کہیں آتے ہیں نہ کہیں جاتے ہیں۔

پاک بدن کی نکہتیں روز ازل سے چار سو
محو سفر ہیں ہر گھڑی موج ہوا کے ساتھ ساتھ (۱۱۳)

روز ازل میں ''بدن'' کا وجود ہی کہاں تھا؟ صرف ارواح تھیں۔ بالفرض اگر ایسا ہوتا بھی، تو دنیا میں کہیں بھی کسی بھی طرح کے تعفن اور بدبو کا نام و نشان تک نہ ہوتا۔

کبھی اس آستاں کا ہے کبھی اس آستاں کا ہے
محبت کی ہے خامی، یہ تو شیوہ بدگماں کا ہے (۱۱۶)

.....

فرشتے منزل اول ہی میں تجھ کو بتادیں گے
کہ نور و نار کے اس درمیاں میں تو کہاں کا ہے (۱۱۶)

ان دونوں شعروں میں نعت کا کون سا پہلو ہے، شاعر کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا۔

کوئی جلوہ منور ہے تو بس حسن عقیدت کا
نہ تو پیروں کے ڈھٹوں کا نہ ماتھے کے نشاں کا ہے (۱۱۶)

''حسن عقیدت'' کس کے ساتھ؟ اس کا کوئی قرینہ شعر میں نہیں ہے۔ چلیے ہم شاعر کی طرف سے یہ فرض کیے لیتے ہیں کہ یہاں نبی کریمؐ سے حسن عقیدت مراد ہے۔ تب بھی شاعر کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ حسنِ عقیدت، بغیر عمل کے دوسروں کو کیا فائدہ دے گا، جب کہ نبی کریمؐ نے خود اپنی لاڈلی سے فرمایا تھا کہ فاطمہ، قیامت کے دن صرف نبیؐ کی بیٹی ہونا کام نہیں آئے گا، تیرا عمل تیرے کام آئے گا..... اور ''نمازیوں کے ماتھے کے نشان کا محشر میں، درخشاں ہونا'' خود حدیث رسولؐ سے ثابت ہے، اس کا انکار حدیث رسول کا انکار ہے۔

جن وانساں ہوں ملایک ہوں کہ ہوں ارض سما
تذکرہ ہوتا ہے ان کا تو سبھی جھومتے ہیں (۱۱۷)

خدا، اور رسولؐ کا تذکرہ جھومنے اور ڈانس کرنے لیے نہیں ہوتا، بلکہ نصیحت اور ہدایت حاصل کر کے اپنے اعمال و احوال کو درست کرنے اور سنت کے مطابق بنانے کے لیے ہوتا ہے۔ پھر انسانوں اور جنوں کے ساتھ ساتھ فرشتوں اور زمین وآسمان کا جھومنا بھی صرف شاعرانہ تخیل ہے جس کا نہ عقل سے تعلق ہے نہ دین سے۔

کس کو خبر، کس کس شے کا
رب نے بخشا انؐ کو نظام (۱۱۸)

نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو جو ذمہ داریاں تفویض فرمائی تھیں ان سب کا ذکر قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ پھر شاعر کو ان کے بارے میں شک کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟۔ قرآن مجید میں بہت سی آیات ہیں مثلاً:

"هو الذی بعث فی الامیین رسولاً منهم یتلو علیهم آیاته ویزکیهم ویعلهم الکتاب والحکمة....." (سورۃ الجمعۃ، آیت:۲)

''لقد من الله علی المؤمنین اذ بعث فیهم رسولا من انفسهم یتلوا علیهم أیاته ویزکیهم ویعلهم الکتاب والحکمة....." (آل عمران، آیت:۱۶۴)

"هو الذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون" التوبہ، آیت:۳۳)

"هو الذی ارسل رسوله بالهدی ودین الهق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون" الصّف، آیت:۹)

"انا ارسلناك بالحق بشیرا و نذیرا....." (البقرہ:۱۱۹)

"وما ارسلناك الا کافة للناس بشیرا ونذیرا....." (سبا:۲۸)

"انا ارسلناك بالحق بشیرا ونذیرا....." (فاظر:۲۴)

"وما ارسلناك الا مبشرا ونذیرا" (الاسرا:۱۰۵)

"وما ارسلناك الا مبشرا ونذیرا" (الفرقان:۵۶)

"یایها النبی انا ارسلناك شاهدا ومبشرا ونذیرا" (الاحزاب:۴۵)

"انا ارسلناك شاهد ومبشرا ونذیرا" (الفتح:۸)

ان کے علاوہ بھی قرآن پاک کی مختلف آیات میں نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء کی بعثت کے مقاصد اور ان کی ذمہ داریوں کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ قرآن پاک کے علاوہ احادیث مبارکہ میں بھی خود نبی کریمؐ نے اپنی بعثت کے مقاصد بیان فرمائے ہیں۔ پھر اس میں شک کے کیا معنی کہ آپ کو کیا کیا اور کون کون سا نظام سونپا گیا؟

ساغر رب سے جب کچھ مانگ
وردِ زباں رکھ انؐ کا نام (۱۱۹)

خدا سے دعا مانگتے وقت کسی اور کا نہیں صرف خدا کا نام ہی ''وردِ زبان'' رہنا چاہیے۔ (ہاں دعا مانگنے سے پہلے اور بعد میں درود شریف پڑھی جاسکتی ہے، کیوں کہ درود خود ایک دعا ہے)

بسی جس کے دل میں شہ دیں کی الفت
نہیں اس کا ثانی کوئی عاشقی میں (۱۲۰)

''عشق'' اور ''عاشقی'' اور اس طرح کی دوسری چیزیں صوفیوں اور شاعروں یا فلاسفہ کی نامعقولیت کا حصہ تو ہوسکتی ہیں، خدا اور رسولؐ کے لیے ایسے الفاظ کا استعمال خلاف ادب ہے..... پھر نبی کریمؐ سے محبت کرنے والے تو لاکھوں کروڑوں نہیں اربوں کھربوں کی تعداد میں ہوں گے۔ ان میں سے کس کس کو لاثانی قرار دیا جائے گا اور کس کا کس سے مقابلہ وموازنہ کیا جائے گا؟

میں بھی ہوں شرف یاب، حضورؐ آپ جو چاہیں
مدت سے ترستی ہیں زیارت کو نگاہیں (۹۳)

.....

یہی کہتا ہے ہر دم مجھ سے میری فکر کا شاہیں
مدینے اڑ کے چل ساغر تجھے شہ نے بلایا ہے (۹۷)

.....

حاضری کی جو بشارت مجھے ہو جائے کبھی
ان کا دیدار کروں اشکوں سے دھو کر آنکھیں (۱۰۰)
ہے یقیں بھیجیں گے ساغر وہ کوئی اپنا نقیب
منتظر بیٹھا ہوں چوکھٹ پہ بچھا کر آنکھیں (۱۰۰)

.....

مجھ کو بھی اپنے در پہ بلالیں کبھی حضورؐ
یہ التماس بارہا میں نے کیا تو ہے (۱۰۹)
اب دیکھنا یہ ہے وہ بلاتے ہیں کب مجھے
ان کا خیال ذہن میں ہر دم بسا تو ہے (۱۰۹)

.....

صبا جا کے محبوب رب سے یہ کہنا
ہیں ارمان دل میں مرے حاضری کے (۱۱۲)

.....

طیبہ کی ہوائیں کہتی ہیں، وہ لوگ بہت خوش قسمت ہیں
جن جن کے بلاوے آتے ہیں سرکار دو عالمؐ کے در سے (۱۱۴)

مجھے بھی آقاؐ بلوا لیں
لے جا کبوتر یہ پیغام (۱۱۸)

.....

آپؐ ہم کو بھی آقا، اپنے در پہ بلوالیں
شمع آرزو دل میں، ہم نے بھی جلائی ہے (۱۲۱)

.....

کرم ہوگا جو ختم المرسلینؐ کا
ملے گا لمس طیبہ کی زمیں کا (۱۲۵)

.....

میرا بلاوا، انؐ کے در سے
کب آئے گا سوچ رہا ہوں (۱۳۰)

.....

کب وہ بلالیں تجھ کو بھی، ساغر یہ تو سوچ
مایوسی تو کفر ہے رکھ رحمت کی آس (۱۳۹)

.....

یہ سب شاعرانہ خیال بافی ہے۔ شریعت میں ایسی باتوں کا کوئی ثبوت نہیں۔ نبی کریم ﷺ کسی کو نہیں بلاتے، آپؐ کے در سے کسی کا بلاوا نہیں آتا، نہ آپؐ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جس کو چاہیں مدینے بلالیں۔ آپؐ کا کوئی خادم یا نقیب مقرر نہیں ہے، جو شاعر کی چوکھٹ پر آ کر اس کو دعوت دے، نہ آپؐ کسی کی التماس کو سن رہے ہیں نہ کبوتر سے کسی کا پیغام وصول کر رہے ہیں۔ طیبہ کی زمین کا لمس نبیؐ کے کرم سے نہیں، صرف اور صرف خدا کے کرم سے نصیب ہوتا ہے۔

عرش بریں پہ آنا جانا انؐ کے لیے کب مشکل ہے
مشکل کو آسان بنانا انؐ کے لیے کب مشکل ہے (۱۲۴)
دو ٹکڑوں میں بٹ جاتا ہے چاند اشارہ پا کر جب
انگلی سے سورج پلٹانا انؐ کے لیے کب مشکل ہے (۱۲۴)
حکم خدا سے وہ تو بے شک جو چاہیں کر سکتے ہیں
کنکر سے کلمہ پڑھوانا انؐ کے لیے کب مشکل (۱۲۴)
تیرے ہی اعمال میں ساغر بے شک کوئی خامی ہے
ورنہ تجھ کو در پہ بلانا انؐ کے لیے کب مشکل ہے (۱۲۴)

عرش پر آنے جانے میں آپؐ کے ارادے اور اختیار کا کوئی دخل نہیں تھا۔ خالق کائنات نے اپنی قدرت سے اور اپنے دین کی مصلحت کے لیے آپؐ کی پوری زندگی میں صرف ایک بار اپنے

فرشتوں کے ذریعے آپ کو عالم بالا کی سیر کے لیے بلایا تھا، اور پھر فرشتوں کے ذریعے ہی زمین پر واپس پہنچا دیا تھا، اور یہ اعزاز بطور معجزہ آپ کو عطا ہوا تھا، آپؐ کی قوت یا کوشش کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ اسی طرح شق القمر بھی ایک معجزہ تھا، جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی پوری زندگی میں ایک بار ہی اپنی قدرت سے ظاہر کیا تھا، ایسا نہیں تھا کہ جب اشارہ کیا اور جب بھی چاہا چاند شق ہو گیا ہو، سورج پلٹنے کا ماجرا، روافض کی ایجادات میں سے ہے، اس کا سچائی سے کوئی تعلق نہیں۔ سنگریزوں کے کلمہ پڑھنے کا واقعہ اگر صحیح ہو تو وہ بھی از قسم معجزہ ہی ہوگا۔ آپؐ کے معمولات کا حصہ نہیں تھا، کہ جب چاہیں کنکر سے کلمہ پڑھوا دیں۔ اور۔ یہ بات بہت اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ ہر معجزہ خدا کی طرف سے اور اس کی قدرت سے ہی ظاہر ہوتا تھا۔ کسی نبی کو یہ اختیار یا طاقت نہیں دی گئی تھی کہ وہ جب چاہے اپنی مرضی سے کوئی بھی معجزہ دکھا دے (اسی طرح کسی بڑے سے بڑے ولی کو بھی یہ اختیار اور قدرت نہیں بخشی گئی کہ وہ اپنی مرضی سے جو کرامت چاہے دکھاوے)۔ خدا کے سوا کسی نبی یا علی یا ولی کے مشکل کشا ہونے کا عقیدہ رکھنا، غیر اسلامی اور مشرکانہ نظریہ ہے۔ اس نعت کے باقی اشعار بھی حدود شریعت سے خارج ہیں۔

ملک کرتے ہیں جس کا طوف آ کر
ہے مسکن رحمۃ للعالمین کا(۱۲۵)

طواف کی جگہ طوف کا استعمال وزن شعر کی مجبوری سہی، مگر اس کا کیا ثبوت ہے کہ فرشتے روضۂ رسولؐ کا طواف کرتے ہیں؟ (کعبۃ اللہ کے سوا کسی چیز کا طواف درست نہیں ہے)

پاکر عرق نبیؐ کے معطر و جود کا
مہکے ہیں یہ گلاب تمہیں کیا پتا نہیں؟
ملتا ہے جس سے سلسلہ ہر ایک باب کا
ہے وہ نبیؐ کا باب تمہیں کیا پتا نہیں(۱۲۶)

میرے بھائی، گلاب تو رسول کریم ﷺ کی ولادت سے پہلے بھی مہکتے تھے۔ غلط بیانی کو نعت اور اظہار عقیدت سمجھنا، ایمان کی علامت نہیں۔ اسی طرح ''ہر ایک باب'' میں تو بے انتہا گنجائش ہے، اور ''باب'' اچھے برے سب طرح کے ہوتے ہیں، تو پھر کس باب کو، اور کس قرینے سے اس کے شمول سے مستثنیٰ سمجھا جائے گا؟

ان کی رحمت سے ناامید نہ ہو چھٹ ہی جائیں گے رنج کے بادل
قلب مضطر سکون پائے گا سید الانبیاء کی بات کرو (۱۲۷)

''ان کی رحمت'' کی جگہ ''حق کی رحمت'' یا ''رب کی رحمت'' کہنا چاہیے تھا۔ قرآن پاک میں "لا تقنطوا من رحمة الله" آیا ہے، "لا تقنطوا من رحمة الرسول" نہیں آیا ہے۔ غور کیجئے کہ خدا کا درجہ رسول کو دیدینا کتنا عظیم گناہ ہوگا!

جشن میلاد مبارک کا منا کر گھر میں
سال بھر منفعت برکت و رحمت رکھیے (۱۳۲)

نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد نہ مسلمانوں کی تاریخ میں ایک ہزار سے زیادہ برسوں تک ''جشن میلاد'' برپا کرنے کی کوئی رسم یا روایت ملتی، نہ قرآن و حدیث میں کہیں اس کا کوئی اشارہ ملتا ہے کہ سال میں ایک بار میلاد خوانی کر کے پورے سال گھر میں برکت و رحمت کا نزول ہوگا۔

سب فکر اپنی شاہ مدینہ پہ چھوڑ کر
بہتر یہی ہے خلد کے زینے کی بات ہو(۱۳۶)

جب ساری فکروں کا بوجھ شاہِ مدینہؐ کے شانۂ مبارک پر ڈالدیا تو پھر خلد کے زینے کی بھی فکر کیوں؟

ساغر سلام اور درود کے ساتھ ساتھ
پیدائش نبیؐ کے مہینے کی بات ہو(۱۳۷)

صرف پیدائش نبیؐ کے مہینے کی ہی بات کیوں ہو؟..... نبی کریمؐ کی پوری زندگی، عمر بھر خدا کا دین پھیلانے کی راہ میں اور کلمۂ حق کو بلند کرنے کی جدو جہد میں ہر طرح کے مصائب و مشکلات کو برداشت کرنے، دشمنوں کی گالیاں سننے، استہزا کا ہدف بننے،

طائف اور احد میں زخمی ہونے وغیرہ پوری کی پوری سیرت نبوی اور پھر تعلیمات رسولؐ کی بات کیوں نہ ہو؟؟!

حور و ملک جو آئے ہیں دیدار کے لیے
ہیں آمنہ کی گود میں محبوب کائنات (۱۳۷)

یہ حور و ملک کا دیدار کے لیے آنا بھی بے سند بات ہے، جس کا کوئی چشم دید گواہ نہیں تھا، نہ خود سرور عالمؐ نے کبھی کوئی ایسی بات کہی۔ مگر میلاد نویسوں، میلاد خوانوں، اور سامعین میلاد سب کو جھوٹی اور ضعیف روایتیں ہی پسند آتی ہیں۔ صحیح احادیث اور قرآن کے صحیح مفہوم تک غالباً ان کی رسائی ہی نہیں ہوتی، کیوں کہ میلاد خواں اور جشن میلاد کا اہتمام کرنے والے اکثر جاہل یا مثل جاہل ہی ہوتے ہیں۔

قصہ ماہ و خورشید تو کچھ نہیں
ہے گماں سے پرے ثروت شاہ دیں (۱۳۱)

اردو، فارسی، عربی تینوں زبانوں میں ''ثروت'' کے معنی، مالداری، مال کی کثرت دولت مندی اور تمول کے ہیں۔ خدا جانے ہمارے شاعر کو کس نے یہ بتا دیا ہے کہ آپؐ کے پاس اتنا مال اور دولت تھی جو کسی عام انسان یا کسی شاعر کے بھی وہم وگمان میں نہ آسکے۔

سلیقہ تھا کہاں مجھ کو کہ نعت شاہ دیں لکھتا
یہ ان کا لطف ہے جو نعت کے مضمون آتے ہیں (۱۳۴)

اس طرح کی باتیں بہت سے نعت کہنے والوں نے کہی ہیں۔ مگر یہ مضمون قطعاً غلط ہے۔ دل اور دماغ دونوں خدا کے قبضے اور اختیار میں ہیں اور کسی مضمون کا ذہن میں آنا نبی کریمؐ کے لطف وکرم سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ ہر طرح کے مضامین صرف اور صرف خدا کے لطف وکرم سے انسان کے ذہن میں آتے ہیں!

سلام انؐ پر درود انؐ پر عجب شانِ رسالت ہے
جن وانسان، ملک ہی کیا، خدا خود محوِ مدحت ہے (۱۷۶)

کیا بولتا ہوا مطلع ہے۔ مگر۔ یہ ''محو مدحت ہونا'' کیا معنی رکھتا ہے، اس پر ہمارے شاعر نے ذرا بھی غور کرنے کی زحمت نہیں فرمائی۔

لغت کی کتابوں میں ''محو'' کے معنی اس طرح لکھے ہیں:

-مٹنا، مٹانا، چاند کا سیاہ داغ (مصباح اللغات (عربی)
-ستر دن، زائل کردن (فرہنگ عمید (فارسی مطبوعہ ایران)
-متحیر، حیران، کمال مستغرق، بھولا ہوا، گم، فریفتہ، عاشق، معدوم، مٹا ہوا، (سعیدی ڈکشنری) (اردو)
-محو ہونا، مٹنا، کسی کے خیال میں ہمہ تن مستغرق ہونا، اوصاف بشری کا گم ہونا، معدوم ہونا، (سعیدی ڈکشنری) (اردو)

مندرجہ بالا معانی میں سے کوئی ایک بھی یہاں پر منطبق نہیں ہو سکتے۔ ان میں جو معنی بھی اس شعر میں مراد لیے جائیں گے، وہ خدا کی احدیت، صمدیت اور اس کے جلال و جبروت کی شان میں گستاخی کے مترادف ہی قرار دیے جائیں گے اور قائل کی عاقبت خراب کرنے کے کافی ہیں۔

جن سے نسبت ہے مجھے ان سے یہ پوچھے گا خدا
مجھ پہ وہ دھوپ رکھے حشر میں یا چھاؤں رکھے

یہ سراسر جھوٹ اور خدا پر الزام ہے کہ وہ کسی سے مشورہ کر کے کسی کے بارے میں کوئی فیصلہ کرے گا۔ ابو طالب جیسے شفیق و ہمدرد چچا کے لیے نبی کریمؐ نے دعائے مغفرت فرمائی تو.....نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول نہیں فرمایا، بلکہ قرآن پاک میں صاف صاف حکم نازل فرما کر اس سے روک دیا گیا۔ تو۔ بیچارے ایک ہندوستانی شاعر کی کیا حیثیت ہے کہ وہ خالق اور سب کا حاکم ہے، دوسرے انسانوں کا ہی نہیں خود نبی کریم ﷺ کا بھی حاکم ہے، آپؐ بھی اللہ کے بندے اور محکوم ہیں۔ آپ بھی اس کی مخلوق ہیں اور خدا تعالیٰ آپ کا بھی خالق ہے، معبود ہے اور حاکم ہے۔ کسی کی بھی یہ شان اور یہ مرتبہ نہیں ہے کہ خدا اس سے پوچھے کہ بتاؤ کہ فلاں شخص (مثلاً ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش کے ایک شاعر) کو دھوپ میں رکھوں یا چھاؤں میں رکھوں؟ یہ انتہائی غیر دانشمندانہ اور غیر اسلامی خیال ہے، اور خدا کی شان میں اتنی بڑی بے ادبی اور گستاخی ہے کہ بے شک وشبہ ''شرک جلی'' کے مترادف ہے، اور شاعر کو توبہ کر کے

تجدید ایمان کرنا چاہیے!

.....

کتاب کے ص ۱۴۴ سے منقبت کا حصہ شروع ہوتا ہے۔ایک جھلک اس کی بھی دیکھیے:

جب اہل حق کے آپ ہی سچے امام تھے
کرتے بھی کیوں قبول وہ بیعت یزید کی (۱۴۴)
کونین میں حسین ہوئے سرخ رو، مگر
روتی ہے اب بھی خون ہزیمت یزید کی (۱۴۴)

غالبا شاعر کا ذہن اس واقفیت سے معری ہے کہ امام وامامت شیعوں کی خاص مذہبی اصطلاحات ہیں اور امامیہ مذہب کی بنیادی کتب اربعہ (کافی، من لایحضر، تہذیب، استبصار) میں ان کی جو وضاحتیں اور فضیلتیں بیان کی گئی ہیں ان کی روشنی میں امام کا جو تصور بنتا ہے وہ ایک مشرکانہ تصور ہے، جس سے بہت سے اہل السنّت والجماعت بھی غیر شعوری طور پر متاثر ہیں۔اسی طرح ہزیمت اور ہزیمت کے خون رونے کا مفہوم بھی شاعر کے ذہن میں واضح نہیں معلوم ہوتا۔

کس کو معلوم نہیں شیر خدا کے اوصاف
اور مختار دو عالم کے نواسے ہیں حسین (۱۴۴)

''شیر خدا'' کا لقب نبی کریم نے حضرت حمزہؓ کو دیا تھا، جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ'' میں تحریر فرمایا ہے:

"لقبه النبی ﷺ اسد الله وسماه سید الشهداء"

(نبی کریم ﷺ نے ان (حضرت حمزہؓ) کو ''اسد اللہ'' کا لقب عطا فرمایا، اور آپ کو ''سید الشہداء'' کے نام سے موسوم فرمایا)

اور صاحب ''معجم الصحابہ'' نے یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا ہے: "والذی نفسی بیده انه مکتوب عند الله فی السماء السابعة حمزة بن عبد اسد الله واسد رسوله" (اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اللہ کے ہاں ساتویں آسمان پر یہ لکھا ہوا ہے کہ حمزہؓ بن عبد المطلب ''شیر خدا'' اور ''شیر رسول خدا'' ہیں)

نبی کریم ﷺ کو مختار دو عالم یا مختار کل ماننا بھی شرک کی تعریف میں آتا ہے۔

مری نگاہ میں ساغر شہادت شبیر
فروغ دین خدا کے لیے ضروری تھی (۱۴۵)

کیا تماشا ہے کہ بات خود حضرت حسینؓ کے نزدیک ضروری نہیں تھی، وہ آج کے شاعر کو ضروری نظر آرہی ہے.....کوفہ جاتے ہوئے راستے میں جب حضرت حسینؓ کو یہ خبر ملی تھی کہ مسلم بن عقیل شہید کر دیے گیے ہیں، اور یہ کہ کوفیوں کی زبانیں حضرت حسینؓ کے ساتھ، لیکن ان کی تلواریں یزید کے ساتھ ہیں- تو- حضرت حسینؓ نے وہیں سے مدینے کو واپس لوٹ جانے کا ارادہ کر لیا تھا.....اگر شہادت ضروری ہوتی اور اس کا دین کی حفاظت سے کچھ تعلق ہوتا، تو آپ راستے سے واپس لوٹنے کا ارادہ ہرگز نہ فرماتے.....مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر سن کر، مسلم کے بیٹوں نے (جو حضرت حسینؓ کے ساتھ تھے) کہا کہ ہم تو اپنے باپ کا انتقام لے کر جائیں گے۔ اس پر مروت یا غیرت کے تقاضے سے حضرت حسینؓ بھی ان کے ساتھ مقام کربلا تک چلے گیے، اور پھر وہاں ہوا، جو ہوا، مگر جو بھی ہوا وہ اتنا بڑا واقعہ ہرگز نہیں تھا، جتنا بڑا شیعوں اور شیعوں کے فریب خوردہ سنیوں کے پروپیگنڈے نے بنا دیا ہے، اور پوری مسلم امت کو صدیوں سے غلط فہمی کا اسیر بنا رکھا ہے۔

راکب دوشِ سلطان ہر دوسرا
اللہ اللہ! یہ مرتبہ یہ مقام (۱۴۶)

ہر دادا کو بیٹے سے زیادہ اپنے پوتے سے، اور ہر نانا کو بیٹی سے زیادہ نواسے محبت ہوتی ہے، اور دادا، نانا تو اپنی جگہ پر ہیں، بچہ اگر ننھا منا سا ہے تو غیر بھی اس کو اٹھا کر کندھے پر بٹھا لیتے ہیں۔اس سے کسی کا مرتبہ اونچا، نیچا نہیں ہوتا، یہ تو دادا، نانا کا نواسے یا پوتے کے ساتھ اس محبت کا اظہار ہوتا ہے، جو ہر انسان کی فطرت میں شامل ہے۔

جس کی فطرت سے تھا حسنِ فطرت عیاں
تھے سلاطین عالم بھی جس کے غلام (۱۴۶)

''سلاطین عالم'' تو کجا، کسی ایک سلطان کا نام بھی گذشتہ ڈیڑھ ہزار سال کی تاریخ میں کہیں نظر نہیں آتا جس نے حضرت حسینؓ کی غلامی کی ہو۔ یہ محض ایک شاعرانہ خیال اور حقیقت سے بہت دور کی بات ہے۔

.....

باطل کی یورشوں سے پرستار آپ کے
غم گین و بے قرار ہیں سرکار غوث پاک (۱۴۷)
لائیں بہ روئے کار، تقاضائے وقت ہے
حاصل جو اختیار ہیں سرکار غوثِ پاک (۱۴۴)

یہ اشعار شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی منقبت کا حصہ ہیں۔ یہاں پہلی تو بات یہ یاد رکھنے کی ہے کہ یہ قطب، غوث، افراد، اوتار وغیرہ سب صوفیوں کے مفروضات ہیں، جن کا قرآن وحدیث میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کو بھی اس طرح پکارنا اور اس سے استغاثہ کرنا کسی حال میں بھی شرک کی آمیزش سے خالی نہیں۔ اور تیسری بات یہ کہ ہر مسلمان کو یہ یقین رکھنا چاہیے کہ خدا نے اپنے اختیارات کسی ولی کو تو یا کسی بڑے سے بڑے نبی کو بھی تقسیم نہیں کیے ہیں، جیسا کہ جہلا نے سمجھ رکھا ہے۔ (افسوس ہے کہ مسلمانوں میں پڑھے لکھے جاہلوں کی تعداد روز بروز بڑھتی ہی جارہی ہے۔)

پیر معظم غوث الاعظم
کہیے ہر دم غوث الاعظم (۱۴۸)

''ہر دم غوث الاعظم'' پکارنا بھی، شرک کے علاوہ کسی زمرے میں نہیں آئے گا، صرف خدا کا نام ہی ہر دم پکارنا چاہیے اور صرف خدا ہی سے مدد مانگنا چاہیے۔ اس منقبت کے بقیہ اشعار بھی شرک آمیز ہیں۔ خدا کے سوا کسی کی یہ صفت یا قدرت نہیں کہ بتائے بغیر سب کے دل کی بات کا محرم ہو۔ کوئی بڑا سے بڑا ولی کسی کے حالات و خیالات کو نہیں جانتا۔ خدا کے سوا کسی میں یہ قدرت نہیں کہ ڈوبتی کشتی کو ابھار دے۔ صرف خدا کا نام ہی ''داروے ہر غم'' ہے۔ کوئی بھی ولی کسی کی آتش غم پر لطف کی شبنم برسانے کی قدرت نہیں رکھتا، قبر میں جانے کے بعد کوئی کسی کا صدقہ نہیں بانٹتا۔ کوئی مزعوم غوث، قطب کسی کا غم دور نہیں کرسکتا۔ یہ سارے کام خدا اور صرف خدا کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ شیخ جیلانی اپنے کسی پرستار یا پجاری کی کوئی مدد نہیں کرسکتے۔

وہ خوب جانتے ہیں ہر ایک دل کا مدعا
اللہ کے کرم سے وہ روشن ضمیر ہیں (۱۴۹)

کوئی روشن ضمیر ہو یا کسی کے دل ودماغ میں آفتاب وماہتاب پرورش پا رہے ہوں، ''ہر اک کے دل کا مدعا'' نہیں جان سکتا۔ "یعلم ما تخفی الاعین وما فی الصدور" اور انه علیم بذات الصدور" یہ خدا، اور صرف خدا کی صفت ہے۔

مجبور کے نادار کے، وہ ہیں رفیق و دستگیر
تو بھی کچھ ان سے مانگنے، خواجہ پیا کے در پہ چل (۱۵۰)
قطرہ بھی ہو، تو بحر ہو؛ ذرہ بھی ہو، تو ہو گہر
دیکھے گا تو یہ سلسلے، خواجہ پیا کے در پہ چل (۱۵۰)

یہ دونوں شعر شیخ معین الدین چشتی اجمیری کی شان میں کہی گئی منقبت کے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب خیالات وتصورات فرضی ہیں اور یہ سب مفروضات فاسد اعتقادات پر مبنی ہیں۔ حق وصداقت سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ اگر آدمی کا ایمان صحیح ہے تو وہ خواجہ سے نہیں، جو کچھ مانگتا ہے صرف خدائے وحدہ لاشریک لہ سے ہی مانگتا ہے۔ اجمیر والے (فرضی) ''پیا'' کے عرس میں یا بغیر عرس کے بھی ان کی قبر (یا مزار) پر خرافات اور شرکیات کے سوا، اور کیا نظر آتا ہے؟

ماضی میں بھی غریب نوازی میں نام تھا
خواجہ پیا کے در پہ ہے اک بھیڑ آج بھی (۱۵۱)

کوئی عاقل، سنجیدہ اور واقعی ذی علم آدمی، کسی پیر کے عرس میں جانا پسند نہیں کرتا، صرف مغفل اور فاسد العقیدہ لوگ ہی وہاں بھیڑ لگاتے ہیں۔

دھوم ہے سارے جہاں میں آپ کی صابر پیا
ہر کوئی سمجھے ہے خود کو صابری، صابر پیا (۱۵۲)

دونوں باتیں بے دلیل اور شاعر کے ضعیف العقیدہ ہونے کی دلیل ہیں۔

مرکر بھی زندہ رہتے ہیں اللہ کے ولی
کرتی طواف باد بہاری ہے رات دن (۱۵۴)

یہ دعویٰ بھی دلیل کا محتاج ہے!

☆

گذشتہ سطور میں ڈاکٹر شاغر وارثی مدظلہ کی نہایت دلکش اور خوبصورت چھپی ہوئی کتاب پر پہلی نظر کے تأثرات قلم بند ہوئے ہیں۔ سطور ذیل میں نظر ثانی کے مشاہدات بھی ہدیہ نگاہ قارئین کیے جاتے ہیں:

سجدہ فرشتوں نے کیا، جاگ اٹھی تقدیر
تونے بشر کو اے خدا بخشی یہ توقیر (۴۸)

اس حمد کے ساتوں اشعار لفظاً اور مفہوماً بھی صاف اور معیاری ہیں۔

نہیں ہے نظم و نسق میں کوئی تیرا سہیم
تیری وحدت پر مرا کامل ہے ایمان (۵۶)

بالکل سچی بات کہی ہے! ہر مسلمان کا خدا کی وحدت پر کامل ایمان ہونا چاہیے، اور کائنات کے نظم و نسق میں کسی کو بھی اس کا شریک و سہیم یا مشیر نہیں سمجھنا چاہیے، (اگر واقعاً شاعر کا یہی عقیدہ ہے جو حمد کے اس شعر میں بیان ہوا ہے، تو کتنی حیرت کی بات ہے کہ کم و بیش ایک سو صفحات پر پھیلی ہوئی نعتوں اور منقبتوں میں جو بے شمار شرک آمیز اشعار شامل ہیں، ان کو لکھتے وقت ان کا قلم ذرا بھی نہیں جھجکا، ان کے احساس کو ذرا سا بھی جھٹکا نہیں لگا، اور نعت اور منقبت میں کئی کئی اشعار خلاف توحید موزوں کر دیے!)

ان کی سیرت کو جو اپنالے تو بے شک ساغر
گردشِ وقت سے ہمت بھی نہ ہارے گا کوئی (۵۹)

.....

پھر کیوں ذلیل و خوار نہ ہوں ہم جہاں میں
کردار کا وہ رنگ کہاں آج ہم میں ہے (۶۱)

''کردار کا وہ رنگ'' مبہم تعبیر ہے، مگر، شاعر نے ایک سچی بات کہنے کی کوشش کی ہے۔

آپؐ کی سیرت اقدس نے دکھائی راہیں
ہر برائی کو مٹانے کے لیے آپ آئے (۵۹)

.....

جیسے حق تعالیٰ کی بندگی ضروری ہے
ایسے ہی شہہ دیں کی پیروی ضروری ہے (۶۷)

.....

شہہ کون ومکاں کے ظاہر و باطل کا کیا کہنا
کتاب اللہ کی تفسیر کامل ان کی سیرت ہے (۷۶)

.....

جو رہنما بناتے ہیں سیرت رسولؐ کی
محشر میں پائیں گے وہ شفاعت رسولؐ کی (۷۸)

.....

سیرت سرکارؐ تو ہے رہ نما سب کے لیے
جس نے اپنایا اسے وہ ہوگیا ہے کامراں (۸۴)

.....

پانچوں شعروں میں سچی نعت کہی گئی ہے۔

کر بیاں ساغر حیات طیبہ کے واقعات
تاکہ آئین آدمی کی سوچ میں تبدیلیاں (۸۵)

بالکل حق بات کہی ہے۔ کاش ہمارے تمام موجود نعت گو شعرا اس مقولے پر عمل کرین اور ماضی کے نعت نگاروں کی اندھی تقلید اور حال کے مشرک و بدعت زدہ ماحول کی روایات و تعبیرات کی پیروی سے پرہیز کریں۔

کچھ عجب سی کیف باری ذہن پر ہوتی رہی
ذکر سرکار دو عالمؐ عمر بھر اچھا لگا (۸۸)

.....

بھٹکنے کے امکان پیدا نہ ہوں گے
نظر میں اگر انؐ کی سیرت رہے گی (۹۴)

.....

مثال اپنی خود سیرت شاہ دیں ہے
کسی کا بھی کردار ایسا نہیں ہے

نعت اسی حق گوئی وحق بیانی کی متقاضی ہے۔

اب دیکھیو نصیب کو چمکائے کب خدا
ساغر طلب تو مجھ کو درِ مصطفیٰؐ کی ہے (۱۰۳)

اس شعر میں شاعر نے بالکل درست طریقے سے اور صحیح انداز میں زیارت روضہ رسولؐ کی تمنا کا اظہار کیا ہے۔ کاش خدا موصوف کو ان تمام اشعار سے توبہ کی توفیق عطا فرمائے جن میں وہی عامیانہ غیر سنجیدہ اور غیر مشروع مضمون اور انداز بیان اپنایا ہے، جس میں خالق ومخلوق کا فرق گم ہوجاتا ہے، اور بلاوے اور پیغام زیارت جاری کروانے کی بات کہہ کر عقیدت کو شرک آمیز بنادیا جاتا ہے۔

انداز یہ تھا آپؐ کے حسن سلوک کا
اغیار پر بھی کی ہیں عنایت کی بارشیں (۱۱۱)

.....

سرکارؐ کی سیرت کو جو اپنائے ہوئے ہیں
وہ دامن رحمت میں جگہ پائے ہوئے ہیں (۱۲۲)

.....

ان پر نہ چلوگے تو بھٹک جاؤگے لوگو
جو راستے سرکارؐ کے دکھلائے ہوئے ہیں (۱۲۲)

.....

ہاں میرے بھائی، یہ جو نعتیہ شاعری میں وہ سب مضامین نظم کیے جاتے ہیں جو براہ راست یا بالواسطہ قرآن وحدیث اور اسلامی عقائد کے خلاف ہیں، یہ بھی سرکارؐ کے دکھائے ہوئے راستے پر نہ چلنے کا ہی نتیجہ ہے۔

جو بھی اس پہ چلتا ہے، ملتی ہے اسے منزل
راہ ایسی دنیا کو آپؐ نے دکھائی ہے (۱۲۳)

.....

چلتے ہیں جو بھی اسوۂ سرکار پر یہاں
سمجھو کہ وہ بہشت کے حق دار ہوگیے (۱۲۸)

تعلیم انؐ کی بھول گیے ہیں جبھی تو اب
سب مرحلے حیات کے دشوار ہو گیے

.....

یا د ہردم یہ بزرگوں کی نصیحت رکھیے
سب سے اوپر شہہ ذیشان کی محبت رکھیے (۱۳۲)

.....

یہ بزرگوں کی نصیحت نہیں ہے میرے بھائی، بلکہ یہ خود سرکار عالم ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ:

"لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین" (اوکما قال) یعنی (تم میں سے کوئی مؤمن کامل نہیں ہوگا جب تک وہ اپنے باپ، بیٹے اور تمام انسانوں سے زیادہ مجھ سے محبت نہ کرے۔)

نظر آتے ہیں وہؐ سب کو ہی سیرت کے اجالوں میں
جو ہیں گمراہ وہ الجھے ہیں لایعنی سوالوں میں (۱۳۳)

.....

منور ہونے لگتا ہے تصور کا ہر اک گوشہ
نبیؐ کی یاد کے جب نوری جگنو جگمگاتے ہیں (۱۳۴)

.....

ہم ان کے روز وشب کی ساری باتیں سنتے ہیں ساغر
جو زائر شاہ دیں کے آستاں سے ہوکے آتے ہیں (۱۳۵)

بالکل فطری بات ہے۔ درودیار حبیب کی ہر بات، ہر چیز کا تذکرہ بھی محبوب ہوتا ہے۔

.....

یہ مختصر مضمون اطناب کی سرحد میں پہنچ رہا ہے۔ لہذا قارئین سے معذرت کے ساتھ، ہدیۂ سلام کے ان خوبصورت شعروں پر اس کا اختتام کیا جاتا ہے:

آپؐ نے جینا سکھایا ''آپ پر لاکھوں سلام
دین کا رستا دکھایا، آپؐ پر لاکھوں سلام (۱۴۲)
رب سے بندوں کو ملایا آپ پر لاکھوں سلام
راہِ دوزخ سے بچایا، آپ پر لاکھوں سلام (۱۴۲)

☆☆☆

آخری صفحہ

اپنی عزت کس طرح بیچ دوں؟

حضرت ابراہیم بن اسحٰق حربی (۱۹۸ھ-۲۸۵ھ) اپنے وقت کے بڑے امام، علم وزہد، فقہ وحدیث اور ادب کے مینارۂ نور تھے۔ ان سے کسی شخص نے پوچھا کہ آپ نے اتنی مختصر مدت میں اتنی ساری کتابوں کو کس طرح لکھ لیا؟ یہ سن کر آپ کو غصہ آ گیا اور پوچھنے والے سے کہا کہ میں نے انہیں اپنے خونِ جگر سے لکھا ہے۔

آپ کے یہاں غربت کا یہ عالم تھا کہ بقول آپ کی صاحبزادی ''مدت دراز سے ہمارا کھانا صرف روٹی کے سوکھے ٹکڑے ہیں، جنہیں نمک سے کھا لیتے ہیں۔ کبھی کبھی تو گھر میں نمک بھی نہیں ہوتا''۔ اس حالت غربت میں جب آپ کی بیوی نے آپ سے کہا ''آپ اپنی کچھ کتابیں فروخت کر دیں تا کہ گھر کا خرچہ چل سکے'' تو آپ نے فرمایا: ''تاجر کی عظمت نوٹ کی تھیلی میں اور عالم کی عزت نوٹ کی کاپی میں محفوظ ہے پھر میں پیٹ کی خاطر اپنی عزت کس طرح بیچ دوں؟

ابن خلکان نے اس طرح کا ایک واقعہ اپنی کتاب ''وفیات الأعیان'' میں لکھا ہے کہ ادیب وقت حضرت ابوالحسن علی احمد کے پاس ابن درید (۲۲۳ھ-۳۲۱ھ) کی کتاب ''الجمھرۃ فی علم اللغۃ'' کا ایک بہت ہی عمدہ اور نفیس نسخہ تھا، ایک مرتبہ غربت و افلاس نے اسے بیچنے پر مجبور کر دیا۔ شریف مرتضٰی ابوالقاسم نے ۶۰ دینار میں خرید لیا جب اس کا ورق پلٹا تو اس پر ابوالحسن کے ہاتھ سے لکھے ہوئے اشعار نظر آئے جن کا ترجمہ یہ ہے:

''میں بیس سال تک اس کتاب سے مانوس رہنے کے بعد آج اس کو بیچ رہا ہوں۔ اس کے چھوٹ جانے سے میرا غم بہت بڑھ گیا ہے۔ قرضوں کی وجہ سے اگر قید بھی ہو جاتی تو پروانہ تھی مگر یہ وہم وگمان بھی نہ تھا کہ کبھی اس کو بیچنا پڑے گا لیکن کیا کروں، کمزوری، ناداری اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی وجہ سے حالات نے یہ دن دکھائے۔ میں بہتے ہوئے آنسوؤں پر قابو نہ پا سکا اور کسی دل جلے غمزدہ کی طرح یوں کہا ''امام مالک! ضرورت کبھی کبھی عمدہ اور نفیس چیزوں کو اپنے آقا سے جدا ہونے پر مجبور کر دیتی ہے حالانکہ وہ انہیں اپنے پاس سے الگ نہیں کرنا چاہتا'' شریف مرتضٰی نے جب کتاب پر لکھے ہوئے یہ اشعار پڑھے تو اس کا دل بھر آیا اور اس نے کتاب کا نسخہ واپس کر دیا اور دینار ان ہی کے پاس رہنے دیئے۔

اس طرح کے واقعات تاریخ اسلام میں کثرت سے موجود ہیں ہم ان واقعات کو پڑھتے اور سنتے ہیں مگر ان سے حاصل ہونے والے نتائج پر غور نہیں کرتے، آج ضرورت ہے کہ ہم کتابوں سے اپنا رشتہ اسلاف کی طرح مضبوط رکھیں، اسلاف کی علم دوستی کے ان مظاہر کو از سرِ نو زندہ کریں، علم کو فروغ دیں اور اپنی توانائیاں اور صلاحیتیں دین اسلام کی تعلیمات کو جدید دور کے تقاضے کے مطابق پیش کرنے میں صرف کریں۔

☆☆☆ (م۔ق۔ن)

تحریر کے دوران میں استعمال ہونے والے رموز اور ان کے اردو نام

علامت حذف (ʼ)

قوسین ((),[],{},< >)

رابطہ،تفصیلہ (:)

سکتہ (،,)

علامت خط (–،—)

فجائیہ،ندائیہ،علامت تعجب (!)

وقف تام،ختمہ (۔)

سوالیہ نشان (؟)

واوین،علامت اقتباس (' '، " ")

وقفہ (؛;)

علامت تغیر (/)

علامت ذیل (:۔)

علامت تخلص (ؔ)

عمومی علامتیں:

ایٹ علامت (@)

ستارہ (*)

خارجہ (^)

یک خنجری نشان،دوخنجری نشان (†،‡)

درجہ (°)

معکوس فجائیہ (¡)

معکوس سوالیہ (¿)

پونڈ (#)

فی صد،فی ہزار (‰,%,)

علامت پیراگراف (¶)

مد (~)

دونقطہ (¨)

غیر معروف علامتیں

عقد النجوم،تین ستارہ علامت (⁂)

اشاریہ (☞)

علامت استہزا (؟)

ہیرے کی شکل (◊)

☆☆☆

جامعۃ البنات حیدرآباد
JAMIATUL BANATH HYDERABAD

شعبہ حفظ عالمیت،فضیلت

لڑکیوں کا اعلیٰ و معیاری دینی ۲۸ سالہ قدیم جامعہ

شہر کے اہم مقامات سے بسوں کی سہولت

دینی تعلیم کے علاوہ انگریزی و کمپیوٹر بھی سکھایا جاتا ہے۔ جس کے لئے خاص کمپیوٹر لیب پوری ضرورتوں سے آراستہ ہے۔
عثمانیہ یونیورسٹی (اورینٹل لینگویجس) کے ذریعہ میٹرک،انٹر،بی اے کے امتحانات بھی دلوائے جاتے ہیں۔
ایک سالہ اسلامک ڈپلومہ (کالج کی طالبات کے لئے) شعبہ تربیت۔ دبلوم العالی فی علوم الشرعیہ۔
(فارغات دینی مدارس کے لئے ایک نادر موقع)

والدین سے گزارش ہے کہ اپنی لڑکیوں کی بہترین تعلیم و تربیت کے لئے اس جامعہ میں داخلہ دلوائیں۔

نوٹ: (۱) اضلاع کے طالبات کے لئے جامعہ میں معیاری ہاسٹل کی سہولت ہے۔ (۲) شہر میں اس جامعہ کی اور کوئی شاخ نہیں ہے۔

صاحب خیر حضرات جو جامعہ کا تعاون کرنا چاہتے ہیں ہمارے بینک اکاونٹ نمبرس:
JAMIATUL BANATH HYDERABAD
Ac/No. 05110011021119. (Andhra Bank)
Ac/No. 19380100018623 (Bank of Baroda)

پتہ: جیون یار جنگ کالونی،روبرو مدینہ میڈیکل ہال،VIP اسکول کی گلی،سعید آباد،حیدرآباد۔
رابطہ نمبر: 7032101979,9848431304,(040)24553534
Website:www.jamiatulbanath.org